بانی

مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ

مدیر

مولانا محمد فیاض خان سواتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

وفیات

[مولانا محمد فیاض خان سواتی]

[۱] جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل مولانا محمد اسرائیل لدھیانوی خطیب جامع مسجد میاں محمد شفیع شاہین آباد گوجرانوالہ گزشتہ ماہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہو گئے تھے، بعد ازاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جنرل ہسپتال لاہور میں ان کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم مولانا مفتی محمد عبداللہ لدھیانویؒ (تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ) کے پوتے، مولانا محمد اسماعیل لدھیانویؒ کے بیٹے اور مولانا علامہ محمد احمد لدھیانویؒ بزرگ راہنما جمعیۃ علماء اسلام کے بھتیجے اور داماد تھے، ۱۹۷۶ء میں تحریک جامع مسجد نور میں گرفتار بھی رہے، ان کا ایک بیٹا محمد عزیر امسال جامعہ نصرۃ العلوم میں درجہ موقوف علیہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، ان کی نمازِ جنازہ قبرستان کلاں گوجرانوالہ میں اداء کی گئی۔

[۲] جامعہ نصرۃ العلوم کے نوجوان فاضل مولانا خضر حیات عثمانی گزشتہ ماہ گردوں کے عارضہ میں مبتلاء رہنے کے بعد بھلوال میں انتقال کر گئے ہیں، انہوں نے ۱۹۹۸ء میں جامعہ سے فراغت حاصل کی تھی، ان کے بھائی نے فون کے ذریعہ تمام احباب سے دعا کی درخواست کی ہے۔

[۳] جامعہ نصرۃ العلوم کے محبین میں سے حاجی محمد اسحاق سیالکوٹ سویٹ والے بھی گزشتہ ماہ گوجرانوالہ میں انتقال کر گئے ہیں، مرحوم مدت العمر جامع مسجد نور میں نماز تراویح، جمعہ اور عیدین ادا فرماتے رہے۔

[۴] مہتاب احمد الیکٹریشن جامعہ کی والدہ ماجدہ بھی گزشتہ ماہ گوجرانوالہ میں انتقال کر گئی ہیں۔

☆ قارئین کرام تمام وفات پانے والے خواتین وحضرات کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سب کی غلطیاں معاف فرما کر جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

......☆......☆......☆......☆......

مارچ ۲۰۱۹ء | جلد ۲۴ | شمارہ ۳

فہرست

عنوانات	رشحات قلم	صفحہ

ناظم دفتر ماہنامہ نصرۃ العلوم
پوسٹ کوڈ 52250 فون 055.4218530، 0302-6693479 ای میل: nusratululoom@gmail.com
زرخریداری بیرونی ممالک امریکہ، یورپ 35 امریکی ڈالر، مشرق وسطی 80 ریال اندرون ملک فی پرچہ 20 روپے سالانہ 250 روپے
ناشر مولانا محمد فیاض خان سواتی
طابع زاہد بشیر پرنٹنگ پریس 13/27 رٹیگن روڈ ہجویری پارک لاہور

حالات وواقعات --- ○ ---

مولانا زاہد الراشدی
شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم

جمعہ کی ہفتہ وار تعطیل بحال کی جائے!

چند روز سے یہ افواہ سوشل میڈیا میں گردش کر رہی ہے کہ حکومتی حلقوں میں جمعہ کی ہفتہ وار چھٹی دوبارہ بحال کرنے کی تجویز زیرغور ہے اور بعض حلقے توقع رکھتے ہیں کہ جلد ہی اس سلسلہ میں اعلان ہونے والا ہے، اس کے ساتھ بعض اہم شخصیات کی طرف سے یہ وضاحت بھی پریس میں آئی ہے کہ ایسی کوئی تجویز زیرغور نہیں ہے اس لئے گومگو کی کیفیت ابھی تک موجود ہے اور کوئی حتمی بات سامنے نہیں آ رہی جبکہ بعض دینی جماعتوں کا یہ مطالبہ چند اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ جمعہ کے روز سرکاری تعلیمی اداروں میں جمعہ کی نماز کے لیے چھٹی کا دورانیہ مسلسل کم کیا جا رہا ہے، بتایا جاتا ہے کہ اس مقصد کے لئے پہلے بارہ بجے تعلیمی اداروں میں چھٹی کر دی جاتی تھی، پھر اس کا وقت ساڑھے بارہ کر دیا گیا اور اب ایک بجے تک اس وقت کو بڑھا دیا گیا ہے، جس سے اساتذہ اور طلبہ کے لئے جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنا مشکل ہو گیا ہے، بالخصوص وہ اساتذہ جو مساجد میں خطابت وامامت کی ذمہ داری بھی ادا کرتے ہیں زیادہ دقت محسوس کر رہے ہیں۔

جمعہ کے روز ہفتہ وار تعطیل کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے اور دینی حلقوں کا ایک عرصہ سے مطالبہ ہے کہ ہفتہ وار تعطیل جمعہ کے روز کی جائے جو فضیلت کا دن بھی ہے اور نماز جمعہ اور خطبہ وخطاب وغیرہ اہتمام کے ساتھ پڑھنے اور سننے کے لئے بھی اس سے آسانی رہتی ہے، کچھ عرصہ قبل اس سلسلہ میں قومی حلقوں میں بحث چلی تو کچھ حضرات نے سوال اٹھایا کہ کیا جمعہ کے روز چھٹی کا قرآن وحدیث میں کوئی حکم موجود ہے؟ ہم نے یہ عرض کیا کہ قرآن وحدیث میں ہفتہ وار تعطیل کا ہی کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، وہ جب ہم اپنی سہولت اور حالات کے تحت کر رہے ہیں اور ہفتہ وار تعطیل کرنے کا ہم نے فیصلہ کر رکھا ہے تو اس کے لئے جمعہ کا دن ہی ہر لحاظ سے بہتر اور مناسب ہے، ہفتہ میں سب سے زیادہ فضیلت والا دن ہونے کے حوالہ سے بھی، نماز جمعہ کی پورے اہتمام کے ساتھ ادائیگی کے حوالہ سے بھی اور

امت مسلمہ کی سابقہ روایات کے حوالہ سے بھی کہ ہمارے ہاں اسلامی اقتدار کے تمام ادوار میں جمعۃ المبارک کے روز ہی چھٹی کی روایت چلی آ رہی ہے، اس پر بعض حلقوں کی طرف سے کہا گیا کہ مغربی ملکوں میں ہفتہ وار چھٹی اتوار کو ہوتی ہے تو کاروباری لحاظ سے ان کے ساتھ چھٹی کرنا زیادہ مناسب ہے، ہم نے گزارش کی کہ پورے مشرق وسطٰی میں جمعہ کے روز چھٹی ہوتی ہے، ان کے ساتھ کاروباری موافقت کیلئے جمعہ کی چھٹی ہی موزوں ہے، مشرق وسطٰی ہمارے قریب ہے، وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وقت کا فاصلہ بھی کم ہے جبکہ مغربی ملکوں کے ساتھ وقت کا فاصلہ زیادہ ہے مثلاً امریکہ کے ساتھ ہماری صورت حال یہ ہے کہ وہاں دن ہے تو ہمارے ہاں رات ہے اور ہمارے ہاں رات ہے تو وہاں دن ہے، چنانچہ اس علاقہ کے ساتھ ہمارے کاروباری اوقات کی موافقت تو ہفتہ میں کسی دن بھی نہیں ہوسکتی جبکہ سعودی عرب کے ساتھ وقت کا صرف دو گھنٹے کا فرق ہے اور متحدہ عرب امارات کے ساتھ یہ فرق ایک گھنٹے کا رہ جاتا ہے، ان کے ساتھ کاروباری اوقات کی موافقت روزمرہ ایک دو گھنٹے کے فرق کے ساتھ ہوسکتی ہے، اس لئے کاروباری اوقات میں موافقت کے پہلو سے دیکھا جائے تو بھی جمعۃ المبارک کی چھٹی ہی ہمارے حالات وضروریات کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتی ہے مگر ہمیں مغرب کی ہر بات میں پیروی کا اس قدر شوق ہے کہ اپنی ضروریات اور حالات پر نظر کیے بغیر ہم ہر معاملہ میں مغربی ممالک کے ساتھ موافقت کے لئے تیار رہتے ہیں، کچھ عرصہ قبل ہمارے بعض حکمرانوں کو یہ شوق چرایا کہ چونکہ مغربی ملکوں میں موسم سرما میں گھڑیاں ایک گھنٹہ پیچھے کر دی جاتی ہیں اس لئے ہمیں بھی ایسا کرنا چاہئے، ہم نے گزارش کی کہ ان کی ضرورت تو سمجھ میں آتی ہے کہ موسم سرما اور موسم گرما میں دن اور رات کا فرق وہاں بسا اوقات آٹھ نو گھنٹے تک چلا جاتا ہے، اس لئے انہیں چند ماہ کے دوران گھڑی کو ایک گھنٹہ پیچھے کر کے اپنے روزمرہ کے معمولات سیٹ کرنا پڑتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں دن اور رات میں اتنا زیادہ تفاوت نہیں ہوتا، اس لئے ہمیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مگر اس وقت کی حکومت نے ایک سال ایسا کرنے کا شوق پورا کیا البتہ جلدی ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ محض تکلف تھا جو مغرب کی پیروی کے شوق میں روا رکھا گیا تھا چنانچہ اگلے سال وہ حکم واپس لے لیا گیا۔

اسی طرح کی صورت حال جمعۃ المبارک کی چھٹی کے بارے میں بھی ہے، ہماری دینی روایات، مشرق وسطٰی کے ممالک کے ساتھ کاروباری ہم آہنگی اور ملی جذبات کی پاسداری کا تقاضہ بہرحال یہ ہے کہ ہفتہ وار تعطیل جمعہ کے روز کی جائے مگر یہ دیکھے بغیر کہ بیشتر مغربی ممالک کے دفاتر اور کاروباری مراکز جس وقت مصروف عمل ہوتے ہیں

اس وقت ہمارے ہاں روزانہ دفاتر اور ادارے اپنا کام مکمل کر کے بند ہو چکے ہوتے ہیں، صرف ان کے ساتھ اتوار کے دن کی موافقت کے شوق میں ہم نے اتوار کی چھٹی کو گلے کا ہار بنا رکھا ہے۔

سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اپنے دورِ حکومت میں اس صورت حال کو سمجھتے ہوئے جمعۃ المبارک کی ہفتہ وار چھٹی کا اعلان کر دیا تھا جو کافی عرصہ جاری رہی اور سب ملکوں کے ساتھ ہمارا کاروبار بھی چلتا رہا مگر میاں محمد نواز شریف نے اپنی وزارت عظمٰی کے دور میں اسے تبدیل کر کے اتوار کی چھٹی پھر سے بحال کر دی۔

ان حالات میں ہم حکومت سے گزارش کریں گے کہ ہفتہ وار تعطیل جمعہ کے روز کرنے کا جلد فیصلہ کیا جائے اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں کیا جاتا تو جمعہ کے روز نماز جمعہ کی صحیح طور پر ادائیگی کیلئے چھٹی کا وقت تنگ کرتے چلے جانے کے طرز عمل پر تو بہر حال نظر ثانی کی جائے کیونکہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے اہتمام اور اس کیلئے کاروبار وغیرہ چھوڑ دینے کا حکم تو قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے، کیا حکومتی دانش وراس کیلئے بھی خود ساختہ دلائل کے کسی گورکھ دھندے میں پڑنا ضروری سمجھتے ہیں؟

عجیب ترین معمہ اور اس کا حل

[مولانا محمد فیاض خان سواتی]

عمِ مکرم امام اہل السنۃ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کو وفات پائے ہوئے دس سال کا طویل عرصہ بیت چکا ہے، عجیب ترین معمہ یہ ہے کہ ان کے خلاف دیوانی مقدمہ کا ایک تحریری نوٹس حال ہی میں ہمیں وصول ہوا ہے، اور یہ ان کی وفات کے بعد وقفہ وقفہ سے تقریباً تیسری مرتبہ عدالت کی طرف سے جامعہ کے پتہ پر جاری ہوا ہے، حالانکہ ہم ان کی وفات کی اطلاع انہیں پہلی ہی بار کر چکے ہیں، اب ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ اسے ہم اپنے اس محکمہ کی سلیقہ شعاری، ترقی اور پھرتی سے تعبیر کریں یا پھر کفِ افسوس ملتے ہوئے اس پر اپنے سروں کو پیٹیں، لہٰذا اب سرِ عام ہم ان کی قبر کی تصویر محض اس مقصد کے لئے شائع کر رہے ہیں تاکہ متعلقہ محکمہ کو ان کی وفات کا پورا یقین آ جائے، اور اگر پھر بھی ان کی تسلی نہ ہو تو ہمارا مفید مشورہ انہیں یہ ہے کہ وہ اپنے کسی قابل ترین جج صاحب کو عالَمِ برزخ روانہ فرمائیں تاکہ وہ وہاں کھلی کچہری لگا کر اپنی ادھوری تفتیش مکمل کر پائیں، اس کے علاوہ تو اور کوئی چارہ کار کم از کم ہمیں نظر نہیں آ رہا۔

خطبہ جمعۃ المبارک (غیر مطبوعہ) --- ○ --- مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
بانی جامعہ نصرۃ العلوم

ماہِ رجب سے متعلقہ امور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ لا فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ قفo (التوبہ ـ ۳۶)

محترم حاضرین و برادرانِ اسلام!

ربطِ خطبات

اس وقت میں نے آپ کے سامنے سورۃ التوبہ کی ایک آیت کا ایک حصہ تلاوت کیا ہے، گزشتہ اور اس سے پیوستہ جمعہ سے پہلے میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کے ابتدائی دور کے بعض حصے ذکر کر رہا تھا، وہ مضمون تو ابھی چل رہا ہے، گزشتہ جمعہ کے موقع پر بھی حضرت شیخ نے حضور علیہ السلام کی سیرت مبارکہ کے بعض اجزا بیان فرمائے تھے۔

سرگزشت ماہِ رجب اور آغازِ ماہِ شعبان

میں تلاوت کردہ آیت کی روشنی میں رجب کے مہینے میں ہی کچھ عرض کرنا چاہتا تھا، مگر اُس دوران میں موقع نہ مل سکا۔ اب شعبان کا مہینہ بھی داخل ہو چکا ہے، تاہم ماہ رجب ہی کے بارے میں کچھ مسائل عرض کرنا مقصد ہے۔ شعبان کے بارے میں آپ سنیں گے، اگر اللہ نے موقع دیا۔ رجب کا مہینہ تو گزر چکا ہے لیکن مسائل تو ہر وقت پیش آتے رہتے ہیں اور اِن کا علم ایک مسلمان کیلئے باعثِ اطمینان ہوتا ہے۔

رجب کے مہینے میں بعض لوگ غلط رسوم ادا کرتے ہیں لہٰذا ان کی وضاحت بھی ضروری ہوتی ہے۔ عام روایات کے مطابق رجب کے مہینے میں حضور علیہ السلام کے معراج کا واقعہ بھی پیش آیا اور آپ اس کی تفصیلات بھی

علمائے کرام سے سنتے رہتے ہیں۔ اس وقت معراج کے واقعہ کا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ماہِ رجب کی غلط رسومات اور ضروری مسائل کے بارے میں کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔

چار حرمت والے مہینے

تلاوت کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ جب سے ارض وسماء کا یہ نظام قائم ہوا ہے، اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ موجودہ نظامِ ارض وسماء ابتدا سے اس طرح چلتا آ رہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ پھر یہ نظام تبدیل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا نظام قائم کریں گے۔ یہ آدمیت کا دور ہے اور اللہ کا قائم کردہ یہ نظام انسانوں کیلئے ہے، اِس سے پہلے کتنے دور گزر چکے ہیں، ہم تو نہیں جانتے، وہ تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن ارض وسماء کے قیام کے بعد آدمیت کا دور جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے، ہم اُس دور میں چل رہے ہیں، قیامت تک یہ دور بھی جاری رہے گا اور پھر یہ نظام بھی تبدیل ہو جائے گا، غرضیکہ موجودہ دور کے اس نظامِ شمسی (SOLAR SYSTEM) کے اعتبار سے سال کے بارہ مہینے ہیں، مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ اور پھر ان میں سے چار مہینے عزت والے ہیں، اِن مہینوں کا ادب واحترام باقی مہینوں سے زیادہ ہے، یہ ملت ابراہیمیہ کا ایک مسلمہ اصول ہے، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہ مضبوط دین ہے، فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ پس ان مہینوں میں اپنی جانوں پر زیادتی نہ کرو۔

مفسرین کرامؒ بیان کرتے ہیں کہ مہینے تو اور بھی ہیں لیکن ان مہینوں کے احکام الگ ہیں، جس طرح حج کے مہینوں کے احکام مختلف ہیں اسی طرح عزت والے مہینوں کے احکام بھی مختلف ہیں، لہٰذا اِن مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اِن مہینوں میں نیکی کا کام کرنے کا اجر وثواب دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ ہے اور کسی برائی کا ارتکاب بھی دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ باعث وبال ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد سے باہر کسی سے لڑتا جھگڑتا، گالی گلوچ یا دھینگا مشتی کرتا ہے تو اس کا حکم الگ ہے، اور اگر کوئی یہی کام مسجد کے اندر کرتا ہے، اللہ کے گھر کی بے حرمتی کرتا ہے تو زیادہ مجرم ٹھہرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حرم کے خطے کے متعلق بھی فرمایا ہے، وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (الحج۔ ۲۵) اگر یہاں کوئی شخص کج روی کی بات کرتا ہے تو ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے، حدودِ حرم میں لڑائی بھڑائی منع ہے، خودرو گھاس پھونس، پودے، درخت کاٹنا ممنوع

ہے، یہ اس خطہ کا خاص ادب ہے، اسی طرح عزت والے مہینوں میں نیکی کا اجر بھی زیادہ ہے اور برائی کا وبال بھی سخت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تاکیداً فرمایا ہے کہ یہ چار مہینے حرمت والے ہیں، ان کا احترام رکھنا ضروری ہے۔

منکرین حدیث کا رد

یہ چار مہینے کون سے ہیں؟ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، اس سے منکرینِ حدیث کا رد بھی ہو جاتا ہے، جن کا دعویٰ ہے کہ ہر چیز قرآن میں موجود ہے، لہٰذا وہ قرآن کے علاوہ کسی چیز کو نہیں مانتے، اب اِن سے پوچھا جائے کہ جن چار حرمت والے مہینوں کا ذکر اللہ نے تلاوت کردہ آیت میں کیا ہے، وہ کونسے ہیں، قرآن سے نکال کر دکھاؤ مگر وہ نہیں نکال سکیں گے کیونکہ قرآن میں تو ان مہینوں کی وضاحت نہیں ہے بلکہ یہ تو حضور علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے بتلایا ہے کہ حرمت والے چار مہینے رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں، حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت عمران بن حصینؓ (دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں) کے سامنے کسی نے کہا کہ قرآن میں ساری چیزیں موجود ہیں، تو آپ کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ اگر قرآن میں ہر چیز موجود ہے تو بتلاؤ صبح کی دو، ظہر کی چار اور مغرب کی تین رکعت کس آیت سے ثابت ہیں، اسی طرح وتر کی تین رکعت کا کہاں ذکر ہے، فرمایا زکوٰۃ کا نصاب کس آیت سے ثابت کرو گے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں تو اساسی قوانین ہیں، بعض چیزوں کی وضاحت بھی موجود ہے، جزیات بھی ہیں لیکن ہر بات کی وضاحت کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۔ (النحل۔۴۴) ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ اسکی وضاحت کر دیں، چنانچہ نماز کی رکعتیں، زکوٰۃ کا نصاب، حج کا طریقہ اور دیگر بہت سی جزیات اللہ کے نبی نے اپنی زبان مبارک اور عمل کے ذریعے بیان کی ہیں، اسی طرح حرمت والے چار مہینوں کے نام بھی قرآن میں تو مذکور نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی نے بتلائے ہیں اور صحیح حدیث میں مذکور ہیں، ان میں سے ایک مہینہ رجب کا ہے جو گزر چکا ہے اور تین مہینے ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم اکٹھے ہیں۔ ان مہینوں کو حرمت والے مہینے ماننا بھی ضروری ہے، جو نہیں مانتا وہ مومن نہیں ہوسکتا۔

عربوں کے نزدیک حرمت والے مہینے

نزولِ قرآن سے پہلے کے دور میں پوری دنیا بدامنی کا شکار تھی مگر جزیرۃ العرب میں تو خاص طور پر افراتفری کا عالم تھا جہاں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی جو امن قائم کرتی۔ یہاں تو قبائلی نظام تھا۔ ہر قبیلے کا سردار ہوتا تھا جس کے اشارے پر ہر قبیلہ صلح و جنگ کا فیصلہ کرتا تھا۔ تجارت اور لین دین بھی قبائل ہی کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب

کے لوگ ایران، شام اور روم کے ملکوں کے ساتھ تجارت بھی کرتے تھے، اُس دور میں چاندی کا سکہ درہم اور سونے کا سکہ دینار ہوتا تھا جو زرِ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا مگر عرب کی سرزمین پر نظامِ حکومت کوئی نہ تھا جس کی وجہ سے مختلف قبائل کے درمیان جنگ و جدل کا بازار بالعموم گرم رہتا تھا، تجارتی قافلے قافلوں کی صورت میں چلتے تھے، ہتھیار ساتھ رکھتے تھے تاکہ بوقتِ ضرورت استعمال میں لاسکیں، کیونکہ لڑائی کا ہر وقت خطرہ ہوتا تھا، بعض عرب قبائل بڑے سخت تھے جو کسی کو معاف نہیں کرتے تھے، تجارتی قافلے لوٹ لیتے تھے اور آدمیوں کو جان سے مار دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، یہ سلسلہ سال کے آٹھ مہینوں میں اس طرح چلتا تھا، البتہ عزت کے چار مہینے زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں بھی امن والے ہوتے تھے، کسی سے لڑائی بھڑائی نہیں ہوتی تھی، قافلوں سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا، لہٰذا اکثر لوگ انہی چار مہینوں میں سفر کرتے تھے کیونکہ اس عرصہ میں سفر محفوظ ہوتا تھا، اور جب حرمت والے مہینے گزر جاتے تو لڑائی بھڑائی اور لوٹ مار کا سلسلہ پھر سے شروع ہو جاتا۔

امام جعفر صادقؒ کے کونڈے

غرضیکہ یہ چار مہینے اللہ تعالیٰ نے عزت والے قرار دیے ہیں جن میں سے رجب کا ایک مہینہ گزر چکا ہے، اس مہینے میں لوگ بہت سی غلط رسومات ادا کرتے ہیں اور اس ماہ کی بائیس تاریخ کو امام جعفر صادقؒ کے نام کے کونڈے دیے جاتے ہیں اور ختم دیا جاتا ہے جو کہ بدعت ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ امام صاحب کی وفات رجب کے مہینے میں ثابت ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ شوال کے مہینے میں ہوئی تھی لہٰذا اس ماہ میں امام صاحب کی وفات اور کونڈوں کا ختم ویسے ہی بے معنی ہو جاتا ہے، اور پھر کونڈوں کی شریعت بھی الگ ہی بنا رکھی ہے کہ کونڈوں کا حلوہ چھت کے نیچے ہی کھایا جا سکتا ہے اور اس کو کھلی جگہ میں نہیں لے جا سکتے، بعض کہتے ہیں کہ بائیس رجب کو امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی تھی، چونکہ رافضی حضرت امیر معاویہؓ سے بغض رکھتے ہیں اس لئے ۲۲ رجب کو ان کی موت کی خوشی میں حلوہ پکایا اور کھایا جاتا ہے مگر نام امام جعفر صادقؒ کا لیا جاتا ہے اور اس کو کونڈوں کا ختم کہا جاتا ہے۔

صحابہؓ کے ساتھ حسنِ عقیدت

امام شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں خبردار! ''مرتکب حرام نہ شوی''، یعنی امیر معاویہؓ پر تنقید کر کے حرام کام کے مرتکب نہ بننا، وہ تو صاحبِ فضیلت صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں، ہاں اگر صحابہ کا آپس میں کوئی اختلاف تھا تو وہ الگ بات ہے، ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں، نہ ہم سے اس کے متعلق کوئی پوچھ گچھ ہوگی، ہمارا عقیدہ

تو سارے صحابہ کرامؓ کے بارے میں یکساں ہیں۔ ان میں اگر کوئی اختلاف تھا تو وہ اجتہادی نوعیت کا تھا اور کسی بدنیتی پر مبنی نہیں تھا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس ضمن میں میری شرح صدر یہ ہے کہ مجتہد آدمی سے اگر اجتہاد میں غلطی بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پھر بھی اس کو اجر عطا فرماتا ہے اور اس کا مواخذہ نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اُن پر تنقید کی جائے، بہر حال، اصحاب کبار کے بارے میں ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ سارے صحابہ کا ذکر عزت کے ساتھ کرو اور ان کیلئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے الفاظ زبان پر لاؤ، ان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کا تذکرہ مت کرو، یہ تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا، یہ اختلاف کیسے رُونما ہوا اور لڑائی کیوں ہوئی؟ تم سے تو تمہارے ایمان کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تمہارا ایمان اور عمل صحیح تھا یا نہیں۔

ایصال ثواب کا متفقہ مسئلہ

غرضیکہ کونڈوں کا ختم اور اس پر عائد پابندیاں بدعات میں شامل ہیں۔ اگر ایصال ثواب مقصود ہے تو وہ کوئی اختلافی بات نہیں ہے، ایصال ثواب کرنا ملت ابراہیمیہ کا مسلمہ اصول ہے، فوت شدگان کے لئے دعا استغفار اور ایصال ثواب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، عام فوت شدگان مسلمانوں کیلئے استغفار اور بخشش کی دعا مانگو اور طاقت ہے تو ایصال ثواب بھی کرو، مساکین کو کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ یا ضرورت کی کوئی دیگر چیز مہیا کرو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کا ثواب فلاں بزرگ یا فلاں عزیز کو پہنچائے تو یہ اتفاقی بات ہے، اس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے، ہم نماز کے اندر اور نماز کے باہر بھی دعائیں کرتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ٥ یا یوں بھی کہتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْم ٥ (الحشر۔۱۰) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِجَمِیْعِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ مولا کریم! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جو مومن مرد عورتیں وفات پا چکے ہیں یا آئندہ قیامت تک آنے والے ہیں سب کو بخش دے۔

ایصال ثواب سب کے لئے کرنا چاہئے، اگر کسی خاص کے لئے چاہو تو وہ بھی کر سکتے ہو، کسی نبی، ولی، بزرگ، استاد، والدین، عزیز و اقارب کسی کیلئے بھی دعا و استغفار اور ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے، نہ کوئی دن جمعرات مقرر ہے، نہ کوئی گیارہویں تاریخ مقرر ہے، دن اور رات کی بھی کوئی قید نہیں، جس وقت چاہو کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اجر عظیم کی خوشخبری سنائی ہے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ

بِـالـلَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ (البقرہ۔۲۷۴) جو اپنا مال رات اور دن کے وقت پوشیدہ یا ظاہری طور پر خرچ کرتے ہیں، اللہ نے تو کسی دن یا تاریخ کی قید نہیں لگائی۔ مگر جائز طریقے سے اللہ کی راہ میں کھانا پکا کر محتاجوں کو کھلاؤ یا کپڑے پہناؤ، ضرورت کی کوئی چیز کسی محتاج کو مہیا کر دو، طالبعلم کو کتاب، پنسل وغیرہ لے دو یا تلاوت کیلئے کسی کو قرآن پاک لے دو، یہ سب چیزیں ایصالِ ثواب میں آتی ہیں، صرف نیت کرنے کی ضرورت ہے کہ اس چیز کا ثواب ہمارے والدین، کسی عزیز یا کسی بزرگ کو اللہ تعالیٰ ایصال کرے اس میں کوئی پابندی نہیں۔ اور جو پابندیاں اپنی طرف سے لگائی جاتی ہیں، وہ بدعات ہیں، البتہ قرآن پاک کی تلاوت کر کے اس کے ایصالِ ثواب میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن کا ثواب خود تلاوت کرنے والے کیلئے ہوتا ہے اور یہ کسی دوسرے شخص کو نہیں پہنچتا، لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن ایک نیک عمل ہے، لہٰذا اس کا ثواب بھی پہنچایا جا سکتا ہے، قرآن کا کوئی پارہ یا سورۃ پڑھ کر دعا کرے کہ اے اللہ اس کو قبول فرما اور اس کا ثواب فلاں شخصیت کو پہنچا، تو یہ بھی جائز ہے، ارشادِ خداوندی ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ۔ (الانبیآء۔۹۴) جو کوئی بھی شریعت کے مطابق نیک عمل انجام دے گا بشرطیکہ وہ ایمان دار بھی ہو، مشرک، منافق، ملحد نہ ہو یا عقیدے میں کوئی خرابی نہ ہو تو ایسے شخص کے عمل کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اللہ کے کارندے اس عمل کو لکھ لیتے ہیں جو قیامت والے دن سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

غرضیکہ ایصالِ ثواب کسی صحابی، بزرگ کو، نبی یا ولی کو کیا جا سکتا ہے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، سید علی ہجویریؒ، خواجہ فریدالدینؒ، خواجہ زکریا ملتانیؒ یا کسی بھی بزرگ کو ثواب پہنچایا جا سکتا ہے، بے شک کھانا پکا کر محتاجوں کو کھلاؤ یا نقد پیسے دے دو تاکہ محتاج ضرورت کی چیز خرید لے، ایسی چیز کے حقدار رشتہ دار، محلے دار، برادری والے یا دوست احباب نہیں ہوتے بلکہ غرباء و مساکین ہوتے ہیں، اگر کوئی چیز ان مستحقین تک پہنچ جائے تو پھر اس کے ثواب کے پہنچنے کی بھی امید ہوگی، وگرنہ غیر مستحقین کے کھانا کھانے سے تو تیجہ یا چالیسواں کا ثواب مرنے والے کو نہیں پہنچے گا، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا کسی دوسرے بزرگ نے ان کے ایصالِ ثواب کیلئے کسی دن یا تاریخ کی پابندی نہیں لگائی، اس قسم کی پابندیاں بدعات میں شمار ہوتی ہیں، یہ گناہ کی بات اور وبال کا باعث ہوتی ہیں، مگر لوگ سمجھتے نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ رجب کے مہینے میں کونڈوں کا ختم دیا جاتا ہے جو کہ بدعت ہے اور گناہ ہے۔ صاحب حیثیت برادری والوں، محلے داروں اور دوست احباب کو کھلانا تو دعوت ہی ہوتی ہے، جب چاہو کرو کہ یہ بھی سنت ہے، مگر بزرگوں

کے نام پر ایصال ثواب سمجھ کر ایسی دعوت کرنا اور پھر اس کو کارِثواب سمجھنا مکروہ اور خود ساختہ شریعت ہے۔

ماہ رجب میں قربانی

زمانہ جاہلیت میں ماہِ رجب میں لوگ قربانی کرتے تھے، خود حضور علیہ السلام نے اس غلط کام کی نشان دہی فرمائی ہے، رجب کے پہلے عشرہ میں لوگ رجبیہ یا عتیرہ کے نام سے جانور ذبح کرتے تھے، جس سے اس مہینے کا احترام ملحوظ ہوتا تھا، ایک صحابی نے عرض کیا، حضور! ہم رجب کے پہلے عشرے میں عتیرہ کے نام سے جانور ذبح کرتے تھے، اس کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا، لَا رَجَبِیَّۃَ وَلَا عَتِیۡرَۃَ رجبیہ اور عتیرہ کی کوئی حقیقت نہیں، کسی مہینے یا دن کی تعظیم کیلئے جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اِذۡبَحُوۡا لِلّٰہِ جانور ذبح کرنا ہے تو صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے کرو، کیونکہ غایت درجہ کی تعظیم صرف اللہ ہی کیلئے روا ہے، اور پھر یہ بھی ہے فِیۡ اَیِّ شَھۡرٍ کسی خاص مہینے کی پابند نہیں ہے بلکہ جس مہینے میں چاہو جانور ذبح کرو وَبَرُّوۡا اور نیکی کا کام کرو، محتاج کو کھلاؤ پلاؤ، انہیں ضرورت کی چیز مہیا کرو مگر صرف اللہ کی رضا کیلئے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ فرع کے نام سے نیاز کرتے تھے، جب کسی شخص کے جانوروں، اونٹ یا بھیڑ بکریوں کی تعداد ایک خاص حد پچاس یا سو تک پہنچ جاتی، تو پھر اس کے بعد پیدا ہونے والے پہلے جانور کو نیاز کے طور پر ذبح کر دیتے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا لَا رَجَبِیَّۃَ وَلَا فَرَعَ یعنی رجبیہ اور فرع کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ تو مشرک لوگ معبودانِ باطلہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں جو کہ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ (البقرہ۔۱۷۳) کی زد میں آ کر حرام ہو جاتا ہے، ذبح کرنا ہے تو اللہ کے نام پر اسی کا تقرب حاصل کرنے کیلئے کرو۔

چار معلون آدمی

حضرت علیؓ کی روایت کردہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی نے چار چیزوں پر لعنت فرمائی ہے، (۱) لعن اللّٰہ لمن ذبح لِغیر اللّٰہ، اس پر لعنت ہو جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر جانور ذبح کرتا ہے، (۲) لعن اللّٰہ لمن لَعَن لِوالدہٖ، اس پر بھی خدا کی لعنت ہو جو اپنے والدین پر لعنت کرتا ہے، (۲) لعن اللّٰہ من گیّر من اھل الارض، مشترک راستوں کے نشانات مٹانے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ کھیتوں کی حد بندی کو مٹانے کی وجہ سے آپس میں کھیت کی ملکیت پر جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ (۴) ولعن اللّٰہ من اٰوٰی مجرماً، جو کسی مجرم کو پناہ دے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو۔

غرضیکہ رجبیہ، عتیرہ یا فرع کے طور پر غیر اللہ کے نام پر جانور کرنا ذبح لغیر اللہ میں شمار ہوکر حرام ہو جاتا ہے، غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی دوسری وجوہات بھی ہوسکتی ہیں کہ وہ راضی ہوجائے گا یا ہماری سفارش کر دے گا۔ اور اگر ذبح نہ کیا تو ناراض ہو جائے گا اور مال و جان میں نقصان ہو جائے گا۔ جو بھی اس اعتقاد کے ساتھ جانور ذبح کرتا ہے، اللہ کے نبی نے اُس پر لعنت کی ہے، ذبح کرنا ہے تو صرف اللہ کے نام پر اس کی خوشنودی کے لئے ذبح کرو اور پھر کسی مہینہ یا دن کی قید بھی نہیں ہے، جب چاہو جانور ذبح کر سکتے ہو، البتہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا مسئلہ الگ ہے، وہ ذی الحجہ کی دس تا بارہ تک ہی کی جا سکتی ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کی حرمت

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ کسی بُت کے نام پر ذبح کرنے سے خدا کی لعنت برستی ہے، کسی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے نام پر ذبح کرنا بھی ایسا ہی ہے، عیسائی لوگ صلیب کے نام پر ذبح کرتے ہیں، وہ بھی غلط ہے، حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کے تقرب کیلئے ذبح کرنا بھی اسی مد میں آتا ہے، کعبہ کے نام پر یا کسی مہینہ، دن یا تاریخ کیلئے جانور ذبح کرنا بھی اھل لغیر اللہ میں ہی آتا ہے، اگر کوئی شخص کسی امیر یا بادشاہ یا سپہ سالار کو خوش کرنے کیلئے جانور قربانی کرتا ہے تو یہ بھی ویسا ہی حرام ہے، البتہ حلت کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کسی کامیابی پر خوشی کے اظہار کیلئے جانور ذبح کیا جائے، مثال کے طور پر اسلامی لشکر کو کسی محاذ پر فتح حاصل ہو خواہ وہ بادشاہ یا امیر کی قیادت میں جنگ لڑ رہا ہو یا فوج کا کمانڈر فتحیاب ہوا ہو تو اس خوشخبری کیلئے جانور ذبح کرنا شرک یا اھل لغیر اللہ کی مد میں نہیں آئے گا، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے بچے کی پیدائش کی خوشی میں عقیقہ کے طور پر جانور ذبح کیا جاتا ہے، دونوں طرح کے ذبح میں یہ فرق ہے جس کو لوگ ملحوظ نہیں رکھتے اور گڑبڑ شروع کر دیتے ہیں۔

تقرب اور ایصال ثواب میں فرق

کسی بزرگ کا تقرب اور چیز ہے اور ایصال ثواب دوسری چیز ہے۔ کسی بزرگ کے ایصال ثواب کیلئے کھانا کھلانا، کپڑا پہنانا یا روپیہ دینا سب روا ہے اور اگر کوئی تقرب مراد لیتا ہے کہ اس سے بزرگ راضی ہو جائے گا یا اگر ایسا نہیں کریں گے تو وہ ناراض ہو جائے گا اور جان و مال میں نقصان ہوگا تو یہ شرک ہوگا اور نذر لغیر اللہ میں آ کر حرام ہو جائے گا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنا چاہتا ہے اُس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ جب سمجھ نہیں ہوتی تو لوگ شرک و بدعت میں مبتلا ہو

جاتے ہیں۔لوگ حرام مال کھا کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے ختم میں شرکت کی ہے اور بڑا نیکی اور ثواب کا کام کیا ہے حالانکہ وہ تو آدمی کیلئے وبال کا باعث ہوتا ہے۔

اشتیاقِ رمضان

جب رجب کا مہینہ داخل ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعائیں کرتے اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِی رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینوں میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کے ماہِ مبارک تک پہنچا دے تا کہ ہم اس کی برکات سے محروم نہ ہو جائیں، گویا حضور علیہ السلام کو رجب کے مہینے سے ہی ماہِ رمضان کی برکات کا اشتیاق شروع ہو جاتا تھا، مگر ہم لوگ رمضان کے مہینے کو مصیبت سمجھتے ہیں جس میں منہ بند رکھنا پڑتا ہے، استغفر اللہ۔ میرے محترم بزرگو! حضور علیہ السلام کا اسوہ تو یہ ہے۔

دعائیہ کلمات

یہ صاحب کہتے ہیں کہ ان کے بھائی کافی عرصہ سے بیمار ہیں، ان کی صحت کے لئے دعا کریں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی اور دیگر تمام بیمار مسلمانوں کو بھی صحت و تندرستی عطا کرے جو کسی بھی جسمانی یا روحانی بیماری میں مبتلا ہیں اور جو مسلمان وفات پا چکے ہیں اللہ تعالیٰ سب کی غلطیاں معاف فرمائے، ان کی نیکیوں کو شرف قبولیت بخشے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جو مسلمان پریشان حال ہیں، اللہ تعالیٰ سب کی دینی، دنیاوی، گھریلو اور کاروباری پریشانیوں کو دور فرمائے، کاروبار میں برکت اور رزق حلال میں وسعت نصیب فرمائے۔

میرے محترم بزرگو! کشمیر، فلسطین، بوسنیا کے مسلمان سخت تکلیف میں مبتلا ہیں، وہاں پر آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، جانیں تلف ہو رہی ہیں، عورتوں کی بے حرمتی ہو رہی ہے، بے ایمان سپر طاقتیں مظلوموں کی بجائے ظالموں کا ساتھ دے رہی ہیں، اللہ تعالیٰ ظالموں کو تباہ کرے اور مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے۔ مسلمانوں کے دین، مذہب اور عزت و آبرو کی حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے، اس کی مدد کے بغیر کوئی چارہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے جان و مال اور ایمان کی حفاظت فرمائے اور ان کو کافروں کے شر سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین حق کی سمجھ اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق بخشے اور سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سبحانك اللّٰھم وبحمدك اشھد ان لا الٰه الا انت استغفرك واتوب الیك۔

(تاریخ خطبہ ۴ شعبان ۱۴۱۳ھ بمطابق ۲۹ جنوری ۱۹۹۳ء)

مولانا محمد فیاض خان سواتی

شوقِ مطالعہ

غیر عرب علماء کی عربی دانی پر لطیفہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ المتوفی ۲۰۰۰ء لکھتے ہیں۔

''میں نے پورا مضمون پڑھ کر (علامہ شیخ محمد بہجۃ البیطار دمشقی کو) سنایا (حاشیہ۔ یہ مضمون ''العوامل الاساسیۃ فی کارثۃ فلسطین'' کے عنوان سے علیحدہ رسالہ کی شکل میں، پھر فلسطین سے متعلق میرے مجموعہ مضامین ''المسلمون و قضیۃ فلسطین'' میں شائع ہو چکا ہے۔) الحمدللہ کہیں ان کو ٹوکنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، مضمون سننے کے بعد فرمایا، شہروں اور ملکوں کے نام پر ال داخل کرنے میں غیر عرب علماء بڑی غلطی کرتے ہیں، تم نے اس بارے میں بڑی احتیاط کی ہے، اس پر لطیفہ سنایا کہ ایک ہندوستانی عالم نے مکہ مکرمہ میں اپنے کسی عرب دوست سے کہا کہ ''انا اذھب من المکۃ الی مدینۃ فھل لك حاجۃ'' (اوکما قال) انہوں نے مدینہ پر ال داخل کرنے کے بجائے مکہ پر داخل کر دیا، جو غیر منصرف ہے، اور اس پر ال نہیں آتا، ان عرب فاضل نے جواب دیا کہ میرا صرف اتنا کام ہے کہ آپ مکہ کے سر سے ال اٹھا کر لے جائیں اور مدینہ چھوڑ آئیں۔''

(پُرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۳۲، طبع کراچی)

عتابِ شاہی اور ڈیڑھ بہادری

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ المتوفی ۱۳۷۷ھ نے فرمایا۔

''شاہجہان کا عتاب وزیر کے کمر بند درست کرنے پر ہوا، ایک جرنیل کو دکن بھیجا گیا، وہ بڑی مہم فتح کر کے آیا، لوگوں نے مبارک باد دی، اس نے کہا میں نے ڈیڑھ بہادری کی ہے، ایک تو یہ ہے کہ مجھے ڈیڑھ سال خارش رہی اسے کھجلایا نہیں، دوسرے مرے پاجامے میں بچھو گھس گیا، اس نے کئی ڈنگ مارے، مگر بادشاہ کے احترام کی وجہ سے میں نے حرکت تک نہیں کی۔''

(تقریر ترمذی مع شمائل نبویؐ ص ۸۴، طبع ملتان مرتبہ مولانا عبدالقادر قاسمی فاضل دیوبند)

دو اہم ترین نصیحتیں

شیخ ابو مواہب عبدالوہاب بن احمد شعرانیؒ المتوفی ۹۷۳ھ رقمطراز ہیں۔

''(ابو عبداللہ محمد بن منازل نیشاپوریؒ المتوفی ۳۲۹ھ ملامتیہ گروہ کے شیخ نے فرمایا)

[۱] جس شخص کے علموں میں سے کسی چیز کی تم کو احتیاج ہو، اس کے عیبوں میں سے کسی پر نظر نہ ڈالو، کیونکہ اس کے عیبوں کا دیکھنا تم کو اس کے علوم کے فائدہ سے محروم رکھے گا۔

[۲] اور تمہارے وقتوں میں سے سب سے زیادہ فضیلت اس وقت کو ہے جس میں لوگ تمہاری بدگمانی سے بچے رہیں۔'' (طبقات الاولیاء اردو ترجمہ الطبقات الکبریٰ ص ۲۱۶ مترجم سید عبدالغنی وارثی مرحوم، طبع کراچی)

حب الوطن من الایمان

الامام الملاّ علی بن سلطان محمد القاری الحنفیؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ رقمطراز ہیں۔

''حدیث ''حب الوطن من الایمان'' (وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے) موضوع ہے، اگرچہ اس کا معنٰی صحیح ہے، خصوصاً جب کہ محمول کیا جائے اس پر کہ وطن سے مراد جنت ہے، پس وہ مسکن اول ہے۔''

(المرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ المصابیح عربی ج ۴ ص ۵، طبع ملتان)

چھوٹے اور بڑے مدارس میں ماحول کا اثر

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ المتوفی ۱۴۰۲ھ فرماتے ہیں۔

''ماحول کے اثرات تو ایسے اظہر من الشمس ہیں کہ ان کا احصیٰ اور شمار بھی بہت دشوار ہے۔ ہر سال مدارس میں دیکھتے ہیں کہ جو طلباء دوسرے مدارس میں اساتذہ کے ہاتھوں سے خوب پٹتے ہوئے آتے ہیں، وہ دوسرے مدارس میں جا کر اس قدر صاحبِ عزت اور صاحبِ نخوۃ بن جاتے ہیں کہ ان کی شان میں اساتذہ کی سخت کلامی بھی موجب توہین بن جاتی ہے، جو طلبہ دوسرے مدارس میں اپنے ہاتھ سے کچی پکی روٹی اللہ کا شکر ادا کر کے مزے سے کھاتے ہیں، ان کو بڑے مدارس میں جا کر اس پر تاؤ آتا ہے کہ نان ذرا سا جل گیا، لیجیو، دیکھو، پکڑو، یوں طباخ کو نکالو، منشی کو معطل کرو، نظامت نا اہل ہے غیرہ وغیرہ۔''

(آپ بیتی نمبر ۶ ص ۱۰۳ و ص ۱۰۴ یا یادایام نمبر ۵ ص ۹۱۹ طبع کراچی)

شب برأت کی تقریبات کی حیثیت

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم۔اے رقمطراز ہیں۔

''حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں شب برات کی جو تقریبات منائی جاتی ہیں، وہ غزنین، خراسان اور عرب میں دیکھنے میں نہیں آتیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کے عوام سے ہے، جو دین سے بے خبر ہیں، اور وہ اس رات غیر شرعی چیزوں میں مشغول رہ کر اپنے اعمال سیاہ کرتے ہیں۔''

(ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص ۱۰۰ طبع اعظم گڑھ، انڈیا)

حرفِ باء کی معنوی وسعت

شیخ ابوالمواہب عبد الوہاب بن احمد الشعرانیؒ المتوفٰی ۹۷۳ھ رقمطراز ہیں۔

''میں بھی اس ذوق سے پہلے خیال کیا کرتا تھا کہ علم تو علم ظاہری اور منقولی ہی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان علوم کی بجائے مجھ پر قرآن مجید وحدیث کے معانی ودقائق کا دروازہ کھول دیا، پھر میں نے لوگوں کے علوم ظاہریہ کو اس دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ بھی خیال نہ کیا، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ اور مَا أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کا دروازہ کھل گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی علوم باطن کے جاننے سے کہا تھا کہ میں حرف باء کے معنی سے اونٹ کی بوری کے برابر معانی نکال سکتا ہوں۔''

(اَنوارُ القُدسیۃ فی اٰداب العبودیۃ ص ۵۸ و ۵۹ مترجم، طبع کراچی)

مولانا زاہد الراشدی
جانشین امام اہل السنۃؒ

کشمیری عوام کی جدوجہد اور ہماری ذمہ داریاں

[۵، فروری ۲۰۱۹ء کو میونسپل گراؤنڈ پتوکی میں بزم اہل سنت کے زیر اہتمام جلسہ سے خطاب]

بعد الحمد والصلوٰۃ!

بزم اہل سنت پتوکی کا شکر گزار ہوں کہ آج کی اس تقریب میں حاضری اور کچھ گزارشات کرنے کا موقع فراہم کیا، آج کی یہ تقریب دو حوالوں سے ہے، آج یوم کشمیر ہے اور پورے ملک میں بلکہ بیرون ملک بھی بہت سے مقامات میں پاکستانی شہری اپنے کشمیری بھائیوں کے ساتھ یک جہتی کا دن منا رہے ہیں، جلسے، ریلیاں، اجتماعات، تقریبات اور سیمینارز منعقد کر کے آزاد کشمیر کی جدوجہد میں کشمیری عوام کے ساتھ ہم آہنگی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ کشمیر کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کے وقت تقسیم کے فارمولا میں ریاستوں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ دونوں ملکوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں الحاق کر لیں، اس موقع پر جموں وکشمیر کے ہندو راجہ نے ریاست کی غالب مسلم اکثریت کے جذبات کی پروا نہ کرتے ہوئے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا جسے کشمیری عوام نے مسترد کرتے ہوئے مزاحمت کی جدوجہد شروع کر دی اور جہاد کے ذریعہ مظفر آباد باغ اور دیگر علاقوں کو آزاد کراتے ہوئے جب وہ سری نگر تک پہنچ گئے تو ان سے یہ کہہ کر جنگ بندی کرائی گئی کہ ریاست کا فیصلہ عوام کی مرضی کے مطابق کرایا جائے گا چنانچہ اقوام متحدہ درمیان میں آئی اور بین الاقوامی سطح پر طے پایا کہ جموں وکشمیر اور دیگر متعلقہ علاقوں میں آزادانہ استصواب کے ذریعہ کشمیری عوام کو یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی آزاد مرضی کے ساتھ پاکستان یا بھارت میں سے جس کے ساتھ شامل ہونا چاہیں خود اس کا فیصلہ کریں۔

کشمیری عوام کے ساتھ عالمی برادری اور اقوام متحدہ نے یہ وعدہ کیا تھا جس کے لئے اقوام متحدہ کا دفتر آج بھی اسلام آباد میں موجود ہے مگر بھارت اس وعدہ کو پورا کرنے سے انکاری ہے جبکہ عالمی برادری اور اقوام متحدہ اس

سلسلہ میں زبانی جمع خرچ کے سوا کوئی پیش رفت نہیں کر رہی جس سے تنگ آ کر کشمیری عوام کی ایک بڑی تعداد ہتھیار بکف ہے اور مسلسل قربانیاں دے رہی ہے جسے دبانے کیلئے بھارت مقبوضہ کشمیر میں ریاستی جبر کا دائرہ بڑھاتا جا رہا ہے، کشمیری عوام کے ساتھ یہ ناانصافی سراسر ظلم و جبر ہے جس میں پاکستان کی حکومت اور عوام کشمیری بھائیوں کے ساتھ ہیں اور ان کے موقف اور جدوجہد کی حمایت کر رہے ہیں، بعض حلقوں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ کشمیری عوام کو اقوام متحدہ کے فیصلوں کے مطابق آزادانہ استصواب رائے کے ذریعہ اپنا فیصلہ خود کرنے کا حق دینے سے خطہ میں مذہب کی بنیاد پر تفریق میں اضافہ ہوگا اور میں آج اس پہلو سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ ۱۹۴۵ء میں خود اقوام متحدہ نے فلسطین کو تقسیم کر کے اسرائیل اور فلسطین کے نام سے دو الگ الگ ریاستیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اپنے اس فیصلہ پر بھی اقوام متحدہ ابھی تک اس لحاظ سے عمل نہیں کرا سکی کہ فلسطین کی مکمل اور خودمختار ریاست کا قیام ہنوز مکمل نہیں ہو سکا مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ تقسیم مذہب کی بنیاد پر نہیں تھی؟ ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف یہودی ہیں جنہیں دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ اقوام متحدہ نے کیا ہے اور اگرچہ فلسطینیوں نے، بعض عرب ممالک نے اور پاکستان نے بھی فلسطین کی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا جن پر عالمی حلقوں کی طرف سے مسلسل زور دیا جا رہا ہے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کر کے اس تقسیم کو قبول کر لیں، اسی طرح

اقوام متحدہ نے انڈونیشیا کے جزیرہ مشرقی تیمور میں ریفرنڈم کرا کے اسے دو ریاستوں میں تقسیم کیا اور اس کے ایک علاقہ میں مسیحی اکثریت کی بنیاد پر نئی مسیحی ریاست قائم کی اس کی بنیاد بھی مذہب پر ہے اور یہ سارا کام اقوام متحدہ کے سائے میں مکمل کیا گیا ہے، پھر سوڈان کی تقسیم کا باعث بھی مذہب بنا ہے، وہاں اقوام متحدہ نے خود ریفرنڈم کرا کے جنوبی سوڈان کو مسیحی اکثریت کی بنیاد پر ایک نئی مسیحی ریاست کی شکل دی ہے۔

میں اقوام متحدہ اور عالمی لیڈروں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر اسرائیل، مشرقی تیمور اور جنوبی سوڈان کی نئی ریاستیں اکثریت کے حوالہ سے وجود میں آ سکتی ہیں اور خود اقوام متحدہ اس کا اہتمام کر رہا ہے تو کشمیر کے مظلوم عوام کا کیا قصور ہے کہ انہیں عالمی برادری اور اقوام متحدہ کے واضح فیصلوں کے باوجود اپنا فیصلہ خود کرنے کے حق سے محروم رکھا جا رہا ہے اور آزادانہ استصواب رائے سے مسلسل انکار کیا جا رہا ہے؟ اگر ریفرنڈم مشرقی تیمور اور جنوبی سوڈان کے عوام کا حق ہے تو کشمیری عوام کا بھی یہ اسی طرح طے شدہ حق ہے جس میں ٹال مٹول کر کے خود اقوام متحدہ کشمیریوں پر ظلم کر رہی ہے اور اس ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

دوسری بات میں حکومت پاکستان سے کرنا چاہوں گا کہ ہم پورے ملک میں کشمیری عوام کے ساتھ یک جہتی کا دن منا رہے ہیں اور سرکاری وغیر سرکاری سطح پر بھرپور آواز بلند کی جا رہی ہے جو خوش آئند ہے مگر اتنی بات کافی نہیں ہے، ہم مسئلہ کشمیر میں صرف کشمیری عوام کے حمایتی نہیں بلکہ ان کے وکیل ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر مدعی بھی ہیں کہ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے کشمیر کو پاکستان کی شہہ رگ قرار دیا تھا اور یہ بات دریاؤں کے پانی کے حوالہ سے دن بدن بڑھتے چلے جانے والے تنازعات کی فضا میں عملاً بھی نظر آ رہی ہے کہ کشمیر پاکستان کی شہہ رگ ہے اور اس کے بغیر پاکستان نہ صرف یہ کہ مکمل نہیں ہوگا بلکہ اس کی معیشت و زراعت بھی غیر محفوظ رہے گی اس لئے کشمیر پاکستان کی نظریاتی اور تہذیبی ضرورت ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر بھی ناگزیر حیثیت رکھتا ہے مگر مسئلہ کشمیر کے مدعی اور وکیل ہونے کی حیثیت سے عالمی سطح پر ہمارا وہ قومی کردار دکھائی نہیں دے رہا جو اس مسئلہ میں موثر پیش رفت کیلئے ضروری ہے، اس صورت حال کا از سر نو جائزہ لینا چاہئے اور پاکستان کی قومی پالیسی کی ترجیحات اور سفارتی جدوجہد کو اس کے ضروریات کے مطابق پھر سے مرتب کرنا چاہئے، یہ مسئلہ نہ حکومتی پارٹی کا ہے اور نہ ہی اپوزیشن کا یہ قومی مسئلہ ہے، وطن عزیز کا مسئلہ ہے اور پوری قوم کا مسئلہ ہے اسے اسی دائرہ اور اسی سطح پر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

آج کی اس تقریب کا دوسرا حوالہ یہ ہے کہ ہمارے فاضل دوست مولانا محمد اسلم زاہد نے ''آغوش پیغمبرؐ'' کے نام سے ایک قابل قدر کتاب لکھی ہے جس پر انہیں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے، آج کی تقریب میں اس کی رونمائی ہوگی، مولانا موصوف کا تعلق پتوکی سے ہے اور وہ ہمارے ان فاضل دوستوں میں سے ہیں جو تدریس و خطابت کے ساتھ ساتھ تحریری میدان میں بھی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

ان کی متعدد تصنیفات اہل علم کے ہاں داد وصول کر چکی ہیں اور ''آغوش پیغمبرؐ'' میں انہوں نے بچوں کے ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومحبت کے واقعات ذخیرہ احادیث سے جمع کر کے مرتب کیے ہیں جو قابل قدر کاوش ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبولیت سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

[خطاب] مولانا محمد فیاض خان سواتی
[ضبط و ترتیب] محمد حذیفہ خان سواتی

دو بیماریاں اور ان کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ نُجُوْمِ الْھُدٰی، اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ o اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَo

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ، وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

محترم حاضرین و برادران اسلام و خواتین محترمات!

تلاوت کردہ آیت کا ترجمہ و مفہوم

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم پہلے پارہ میں سے ''سورۃ البقرۃ'' کی دو آیات ۴۵ و ۴۶ تلاوت کی ہیں، جن کی روشنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں میں پائی جانے والی دو بیماریاں اور ان کے علاج کے بارہ میں ذکر فرمایا ہے، سب سے پہلے ان آیات کا ترجمہ و مفہوم عرض کرتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ تم صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کرو وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اور بے شک یہ نماز بڑی بوجھل ہے اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ مگر ان لوگوں کیلئے جو عاجزی اختیار کرتے ہیں، یعنی جو اللہ کے سامنے خشوع و خضوع اور عجز و انکساری اختیار کرتے ہیں ان پر نماز بوجھل نہیں ہوتی، اس کے برخلاف جو لوگ اللہ کے سامنے عاجزی اختیار نہیں کرتے بلکہ تکبر کرتے ہیں، ان کیلئے نماز بڑی بوجھل ہوتی ہے، چنانچہ اللہ کے سامنے عاجزی اختیار کرنے والے لوگوں کی یہاں دو صفتیں بیان کی گئی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے ساتھ ملاقات کرنے والے ہیں وَاَنَّہُمۡ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ اور بے شک وہ اُس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یعنی انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین ہے اور وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ عنقریب خدا کے ساتھ ملاقات ہونے والی ہے اور ایک دن اس کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے تو یہی عاجزی اختیار کرنے والے لوگ ہیں، ایسے لوگوں پر نماز بوجھل نہیں ہے، ان کے علاوہ جو تکبر کرتے ہیں، سرکشی اختیار کرتے ہیں اور خشوع اختیار نہیں کرتے ان پر نماز بوجھل ہی بوجھل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا علاج دو طریقوں سے بتلایا ہے، سردست میں نے وہی آپ کی خدمت میں عرض کرنا ہے۔

یہودیوں کی دو خطرناک بیماریاں

بنیادی طور پر ان آیات میں اور ان سے پیچھے یہودیوں کا ذکر چل رہا ہے، قرآن کریم کے نزول کے زمانہ میں اور اس سے قبل بھی یہودیوں میں دو بیماریاں بڑی شدومد سے پائی جاتی تھیں، جو بعد ازاں بھی موجود رہیں، اب بھی ہیں اور تا قیامِ قیامت رہیں گی، ایک حبِ مال، یعنی مال کے ساتھ محبت اور دوسری حبِ جاہ، یعنی اقتدار کے ساتھ محبت۔ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں لکھا ہے کہ حبِ جاہ اور حب مال دو بیماریاں ہیں جو یہودیوں میں پائی جاتی تھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو علاج کیلئے دو طریقے بتائے ہیں، ایک صبر کا اور دوسرا نماز کا۔ قرآن کریم چونکہ ہمارے لئے قیامت تک کیلئے نمونہ، اسوہ اور دستور العمل ہے، چنانچہ اس میں سابقہ لوگوں کی باتیں اسی مقصد کیلئے بیان کی گئی ہیں کہ ہم ان سے عبرت پکڑیں، آج دیکھا جائے تو مسلمانوں میں بھی یہی دو بیماریاں بدرجۂ اتم سرایت کرچکی ہیں، مال کی محبت، جس میں کوئی حلال وحرام کا امتیاز ہی نہیں ہے، نہ حاصل کرنے میں اور نہ ہی خرچ کرنے میں اور پھر اقتدار کی محبت، جس کو حاصل کرنے کیلئے ناجائز طریقے اختیار کرتے ہیں اور پھر اقتدار پر فائز ہوکر اس کو غلط استعمال کرتے ہیں، یہ دو بیماریاں ہیں جن میں یہودی پہلے بھی پیش پیش تھے اور اب بھی پیش پیش ہیں، اس وقت دنیا میں سب زیادہ سرمایہ کاری یہودی کررہے ہیں، ان کی بڑی بڑی کمپنیاں ہیں، شاید ہی دنیا کی کوئی ایسی بڑی کمپنی ہو جس میں ان کا شیئر نہ ہو، یہ مال کی محبت کی انتہاء ہے، جبکہ ان کی اقتدار کی محبت کا عالم بھی سب کے سامنے ہے، وہ ہمیشہ سے اس کوشش میں ہیں کہ ان کو پوری دنیا میں اقتدار حاصل ہوجائے، لیکن ابھی تک انہیں اسرائیل کے علاوہ کہیں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی، البتہ اس وقت دنیا میں جتنی بھی سپر طاقتیں ہیں ان میں یہودی اس لحاظ سے سرفہرست ہیں کہ ان کا اثر ورسوخ سب سے زیادہ ہے، آج امریکہ کو سب سے بڑی سپر پاور سمجھا جاتا ہے، ان کی پارلیمنٹ میں سب سے زیادہ اثر ورسوخ رکھنے والے یہودی ہی ہیں، گویا دیگر بڑی سپر طاقتوں کو اپنے داؤ پیچ کے ذریعے استعمال کرنے کے حربے بھی ان کے پاس موجود

ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی برائیوں کو بڑا کھول کر بیان فرمایا ہے، یہی بیماریاں پھر آگے مسلمانوں میں بھی عود کر آئی ہیں، لہٰذا یہودیوں کو علاج کیلئے جو طریقہ دیا گیا تھا، تمہیں بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

ملک میں خلفشار اور اس کے بنیادی اسباب

آج کل ہمارے ملک میں پانامہ لیکس اور جے آئی ٹی کی رپورٹس کے حوالہ سے جو شورش چل رہی ہے، اگر غور کیا جائے تو اس کے اسباب میں بھی بنیادی طور پر یہی دو بیماریاں مال و جاہ کی محبت کارگر ہیں، ہمیں کسی پر تبصرہ نہیں کرنا ہے کہ کون کیسا ہے، تاہم یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ملک میں اس قسم کے خلفشار اقتدار اور مال کی محبت سے ہی رونما ہوا کرتے ہیں، ہمارے ملک کے وزیر اعظم پر گونا گوں الزامات عائد کیے جا رہے ہیں، عدالتیں پے در پے اپنے بیانات جاری کر رہی ہیں، ملک میں افراتفری کا سماں ہے، ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچی جا رہی ہیں، میں اس سلسلہ میں اصولی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ احتساب بہت اچھی چیز ہے، یہ ہر ایک کا ہونا چاہئے کیونکہ یہ اسلام کا ایک بہت بڑا اصول ہے، لیکن یہ اس وقت ہونا چاہئے جب اس کا ماحول ہو، اگر ایک تالاب میں سب ہی مچھلیاں گندی ہوں تو پھر کون کس کا احتساب کرے گا؟ لہٰذا پہلے اس کا ماحول بنانا چاہئے اور پھر احتساب کرنا چاہئے، وگرنہ یہ تو سراسر سیاسی کھینچا تانی ہے، محض ایک دوسرے کو نیچے گرانے کیلئے اور ایک دوسرے کا اقتدار ختم کرنے کیلئے یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے کہ کسی طریقہ سے ان کا اقتدار ختم کر دیا جائے اور ہمیں حکومت حاصل ہو جائے، ایسے میں احتساب کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بالفرض والمحال اگر ملک میں ایک آدمی کا احتساب ہو گیا تو کیا اس کے ساتھ پورے ملک کا نظام صحیح ہو جائے گا؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ملک میں پہلے ایسا ماحول پیدا کرو کہ ہر آدمی اپنے آپ کو حساب کیلئے از خود پیش کرے، ہر بندہ خود کہے کہ ٹھیک ہے، میرا احتساب کر لو، لیکن ایسی کیفیت تو یہاں نہیں ہے، یہاں وزیر اعظم سے زیادہ مالدار لوگ بھی موجود ہیں، جن کے آباؤ اجداد بالکل معمولی حیثیت کے مالک تھے، جن کے پاس اس قدر سرمایہ موجود نہیں تھا، لیکن آج اِن کے پاس کہاں سے آ گیا؟ ایسے میں اگر آپ احتساب کریں گے تو خلفشار ہی پیدا ہوگا، کیونکہ اس کا ماحول ہی نہیں ہے، لہٰذا پہلے نظامِ عدل قائم کرو، پھر اس کے دائرہ کے اندر سب کو لو، یہ بات درست نہیں ہے کہ جس کے ساتھ تمہیں سیاسی یا ذاتی اختلاف ہے بس اس کا احتساب ہو، ایسے احتساب سے سوائے وقت کے ضیاع کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا، جو لوگ سیاست کے میدان میں ہوتے ہیں وہ دراصل ملک اور عوام کی خدمت کیلئے ہوتے ہیں، لیکن حال یہ ہے کہ وہ باہم دست و گریباں ہیں، جبکہ عوام بے چاری دھکے کھا رہی ہے، ان کو چاہئے کہ اپنا وقت عوام کی فلاح و بہبود کیلئے صرف کریں، پانچ سال کے بعد ایک کا اقتدار ختم ہو تو پھر کوئی دوسرا آئے اور وہ اپنی خدمات انجام دے، ہماری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی کہ ملک میں صرف ایک آدمی کا احتساب ہو اور باقی جو اس سے بھی زیادہ مالدار طبقہ ہے وہ ویسے کا ویسا ہی رہے؟ یہ کہاں کا انصاف ہے، ہم سمجھتے ہیں

کہ یہ محض سیاسی رسہ کشی ہے، جس سے ملک کا نظام مزید خراب ہوگا اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

صبر اور نماز کے ذریعہ بیماریوں کا علاج

الغرض! میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حب مال اور حب جاہ بہت بری بیماریاں ہیں جو یہودیوں میں بے حد پائی جاتی تھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ختم کرنے کیلئے علاج تجویز فرمایا، چنانچہ یہی علاج مسلمانوں کیلئے بھی ہے، کیونکہ ہر انسان کے اندر دو قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں، ایک جسمانی اور دوسری روحانی، لہٰذا دونوں کا علاج ضروری ہے، اگر آدمی جسمانی بیماری کا علاج کرتا ہے اور روحانی بیماری کا علاج نہ کرے تو اس کو افاقہ نہیں ہوگا، انسان تو جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے، دونوں صالح اور تندرست ہونے چاہئیں، روح بیمار ہو اور آدمی ظاہری طور پر علاج کرتا رہے، دوسری طرف توجہ ہی نہ کرے تو شفایاب نہیں ہوگا، اس وجہ سے بیماری جتنی زیادہ ہوتی ہے ڈاکٹر اور حکیم مریض کا ڈوز بھی اتنا ہی زیادہ کر دیتے ہیں، ایسے مریض بھی ہوتے ہیں کہ جن کو دن میں تین تین مرتبہ انجکشن اور دواء استعمال کرنی پڑتی ہے تو بیماری صرف جسمانی نہیں ہوتی بلکہ روحانی بھی ہوتی ہے اور روحانی بیماری کبھی کفر تک، کبھی شرک تک، کبھی نفاق تک، کبھی بدعملی تک اور کبھی حسد، بغض، کینہ، جھوٹ اور دیگر رذائل تک بھی پہنچی ہوتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے علاج میں دو باتیں تجویز فرمائی ہیں، پہلی بات یہ فرمائی وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ صبر کے ساتھ امداد حاصل کرو۔ انسان کو ایسی بیماریاں بھی لاحق ہو جاتی ہیں کہ وہ صبر نہیں کر سکتا، بے حوصلہ ہو جاتا ہے اور بسا اوقات موت کو طلب کرنے لگتا ہے کہ مجھے موت ہی آ جائے تو ایسے مواقع پر صبر کی تلقین فرمائی گئی ہیں وَالصَّلٰوۃِ اور نماز۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیوں یہ دو چیزیں بیان فرمائیں؟ اس کی وضاحت جناب رسول اللہؐ نے خود ارشاد فرمائی ہیں، صبر اور نماز دینِ اسلام کے بڑے اہم ستون ہیں، جناب رسول اللہؐ نے فرمایا اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ نماز دین کا ستون ہے، دین کی ساری عمارت اسی پر کھڑی ہے، اگر یہ ستون نکالیں گے تو عمارت گر جائے گی، نماز کی اہمیت اسلام میں بہت زیادہ ہے اور صبر کے متعلق ''حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء'' للحافظ ابی نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی میں موجود ہے، خطیب بغدادیؒ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ صبر آدھا ایمان ہے، انسان میں جو ایمان ہوتا ہے اگر دیکھا جائے تو اس میں نصف صبر ہی ہے، غور فرمائیں کہ کیسے؟ اسلام میں جتنے بھی احکام ہیں ان پر انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے، نماز کی مثال ہی لے لیں، کس کا پڑھنے کو جی چاہتا ہے، اس کیلئے کتنا صبر کرنا پڑتا ہے، پہلے مخصوص طریقہ سے اپنے جسم کی طہارت حاصل کرو، غسل اور وضو کرو، کپڑوں کی طہارت حاصل کرو، پھر جگہ کی طہارت حاصل کرو، پھر مسجد میں چل کر جاؤ،

مخصوص طریقہ سے نماز پڑھو، رکوع اور سجدہ کرو، جماعت کے ساتھ پڑھو، غرضیکہ ان سب چیزوں پر صبر کرنا پڑتا ہے، گرمی سردی میں گرم ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل کرنا پڑتا ہے، یہ ساری چیزیں صبر آزماء ہیں، اسی وجہ سے جناب رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ صبر نصف ایمان ہے، الغرض! یہ بہت اہم اصول ہے۔

مشکلات میں حضورؐ کا معمول

امام ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں اور امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر قرآن میں اور حدیث کی اکثر کتابوں میں حضور نبی اکرمؐ کا یہ معمول ذکر کیا گیا ہے کہ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ فَزِعَ اِلَى الصَّلٰوةِ جب جناب رسول اللہؐ کو کوئی پریشانی والا معاملہ پیش آتا جو آپ کے ذہن پر اثر انداز ہوتا اور بڑا مشکل ہوتا تو آپ اس کے علاج کیلئے فوراً نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے، نماز سے مراد نوافل ہیں، فرائض تو سب نے ہی پڑھنے ہوتے ہیں، آپ نفل نماز میں مشغول ہو جاتے، کیونکہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ نماز انسان کو اللہ کے قریب کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے، خصوصاً سجدہ کی حالت میں انسان اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اس سے زیادہ عاجزی کیا کرے گا کہ سجدے میں گر گیا، دنیا میں بھی اس سے زیادہ عاجزی، انکساری یا ذلت کچھ نہیں ہو سکتی، خدا کے سامنے جب سجدہ ٹیک دیا تو یہ سب سے قریبی حالت ہو گئی، جناب رسول اللہؐ کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو آپ صبر کرتے اور نماز پڑھتے، آپؐ نے فرمایا کہ جب کوئی مشکل پیش آجائے تو صبر کرو اور نماز پڑھو، اس سے اس کا علاج ہوتا ہے اور انسان کو شفا ملتی ہے، جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ بیماریاں دو قسم کی ہیں، روحانی اور جسمانی، دونوں کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے شفا رکھی ہے، اس ضمن میں آپ کے سامنے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ

حضور نبی اکرمؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کا نام نامی تو سب نے سنا ہے، جناب رسول اللہؐ کے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ میں سے سب سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے والے صحابی ہیں، انہوں نے جناب رسول اللہؐ کی موجودگی میں زندگی میں اور کوئی کام ہی نہیں کیا، ان کو صرف تین چار سال کا وقت ملا، اس دوران انہوں نے اور کوئی کام نہیں کیا سوائے جناب رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضری کے، ہر وقت مسجد نبویؐ یا صفہ میں رہتے تھے، ان کے کھانے پینے کا بندوبست بھی جناب رسول اللہؐ ہی کیا کرتے تھے، پہلے ان کا ذہن کمزور تھا، خود بھی دعا کرتے تھے اور انہوں نے جناب رسول اللہؐ سے بھی دعا کرائی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا ذہن کھول دیا اور ان کو امت کیلئے مقتداء بنا دیا، اسی لئے جناب رسول اللہؐ کی جتنی حدیثیں انہوں نے بیان کی ہیں اور کسی نے نہیں کیں، ۵۳۷۴ احادیث ان سے مروی ہے، امام حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے "تفسیر ابن کثیر" میں اور امام محمد بن جریر طبریؒ

نے اپنی تفسیر قرآن میں لکھا ہے، ’’تفسیر طبری‘‘ بالکل ابتدائی دور کی تفسیر ہے، بعد والی تمام تفاسیر کیلئے اسے ماں کہا جاتا ہے، یعنی یہ ام التفاسیر کہلاتی ہے، تفسیر کی ان دونوں کتابوں میں یہ حدیث مبارکہ نقل کی گئی ہے جو میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں، ہم لوگ نماز کو بالکل ہی اہمیت نہیں دیتے اور نہ ہی اس کو پڑھتے ہیں، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صبر اور نماز میں شفا بھی رکھی ہے، چنانچہ میں سردست شفا کی بات کر رہا ہوں کہ نماز سے کیسے شفا حاصل ہوتی ہے، ہمیں تو یہ بات سمجھ نہیں آتی لیکن جن لوگوں کو یقین ہوتا ہے ان کو سمجھ میں آتی ہے اور ایسا ہوتا بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گئے، ان کے پیٹ میں اتنی شدید درد ہو گئی کہ وہ اس کی وجہ سے لوٹ پوٹ ہو گئے، ان سے درد برداشت نہیں ہوا، وہ تو بڑے کامل الایمان تھے لیکن ان کو ظاہری طور پر جسمانی تکلیف لاحق ہو گئی، جب وہ پیٹ میں درد کی شدت کی وجہ سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے تو اس دوران جناب رسول اللہؐ تشریف لے آئے، انہوں جب ان کی یہ حالت دیکھی تو اس موقع پر جناب رسول اللہؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو ان کے علاقہ کی زبان میں پوچھا، شاید آپؐ ان کا دل بہلانا چاہتے ہوں گے کہ درد سے ان کی توجہ ہٹ جائے، آپؐ نے اس موقع پر عربی میں کلام نہیں فرمایا بلکہ فارسی میں کلام کیا، اس وقت فارسی بڑی معروف زبان تھی، بصراحت تفسیر ابن کثیرؒ آپؐ نے ان سے فارسی میں پوچھا ’’اُشکم درد‘‘ کیا تیرے پیٹ میں درد ہے؟

رائج الوقت زبانوں کو سیکھنے کی تلقین

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں، حضور نبی اکرمؐ نے اپنے زمانہ کی جتنی معروف زبانیں تھیں ان کا کوئی نہ کوئی جملہ بولا ہے، اس وقت سریانی، عبرانی اور فارسی زبان بھی بولی جاتی تھی، جبکہ عربی تو ان کی اپنی زبان تھی، چنانچہ جو بھی معروف زبانیں اس وقت رائج تھیں آپؐ نے ان کے کوئی نہ کوئی جملے بولے ہیں جو حدیث کی کتب میں محفوظ ہیں، بلکہ بعض زبانوں کی تو آپؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے فرمائش کی کہ تم ان کو سیکھو، حضرت زید بن ثابتؓ کو آپ نے حکم دیا تھا کہ تم عبرانی اور سریانی زبان سیکھو کیونکہ تورات اور انجیل ان زبانوں میں ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کے سارے دینی مسائل انہی میں ہیں، یہودیوں کی جانب سے جب خطوط آتے تو ان کو پڑھنے میں بڑی دشواری ہوتی تھی، کسی نہ کسی یہودی کو بلا کر وہ پڑھوانے پڑتے تھے، جناب رسول اللہؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی ڈیوٹی لگائی کہ تم سریانی اور عبرانی زبان سیکھو، اللہ نے ان کو بڑی ذہانت سے نوازا تھا، انہوں نے پندرہ دن میں تین زبانیں سیکھ لیں، عبرانی، سریانی اور طورانی بھی اس وقت چل رہی تھی، غرضیکہ جناب رسول اللہؐ نے کسی دوسری زبان کو سیکھنے کی ممانعت نہیں فرمائی۔ آج انگریزی کو بین الاقوامی زبان کا درجہ حاصل ہے، پوری دنیا میں یہ زبان رائج ہو چکی ہے،

اگر کوئی اس کو سیکھے تو اس میں قباحت نہیں ہے، اگر دینی مدارس میں بھی اس کو سکھایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، یہ خود جناب رسول اللہؐ کی تعلیمات میں سے ہے، آج دنیا میں تعلیم وتبلیغ خواہ تقریراً ہو یا تحریراً معروف زبانوں کو جانے بغیر نہیں ہوسکتی، آج ہمارے سامنے کوئی انگریز آ جائے تو ہم اس سے بات نہیں کرسکیں گے جب تک اس زبان پر عبور حاصل نہیں ہوگا، اس وجہ سے اب دینی مدارس والے بھی یہ سوچ رہے ہیں کہ اس میدان میں قدم رکھ دینا چاہئے، بعض نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور اس قسم کے تجربات کر رہے ہیں، لہٰذا اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ یہ ضرور سیکھنی چاہئے تاکہ غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب دیا جائے اور اسلام کی تعلیم وتبلیغ بھی بخوبی انجام دی جاسکے، کیونکہ جب درمیان میں کوئی آدمی بات سمجھانے کیلئے پڑتا ہے تو بات میں فرق آ جاتا ہے، جناب رسول اللہؐ نے اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ سے کہا تھا کہ تم خود سیکھو، کیونکہ جب کوئی عبرانی یا سریانی زبان کا خط آتا ہے تو میں یہودیوں سے پڑھواتا ہوں، مجھے ان پر امن نہیں ہے کہ یہ صحیح پڑھ کر سناتے ہیں یا درمیان میں ڈنڈی مارتے ہیں، چونکہ ہمیں تو یہ زبانیں آتی نہیں تو خدشہ ہے کہ کہیں یہ ہمیں کچھ اور ہی پڑھ کر نہ سنا دیں، اس لئے تم خود سیکھو، جناب رسول اللہؐ نے بہت سی زبانوں کے جملے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرما کر یہ تعلیم دے دی ہے کہ آدمی ایسا کرسکتا ہے۔

نماز شفا ہے

اس موقع پر بھی جناب رسول اللہؐ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فارسی زبان میں کہا، بصراحت تفسیر طبری ''اشکنب درد'' کیا تیرے پیٹ میں درد ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا نعم، جی ہاں میرے پیٹ میں شدید درد ہے، میں جناب رسول اللہؐ کا وہ جملہ دہرانا چاہتا ہوں جو آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ سے اس موقع پر کہا، آپؐ نے فرمایا قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شِفَاءً اٹھ نماز پڑھ کیونکہ نماز شفا ہے۔ یہ نفل کے بارہ میں ہے اور مسجد نبویؐ میں بات ہو رہی ہے، یہاں روحانی بیماری کے بارہ میں نہیں کہا بلکہ جسمانی بیماری کے بارہ میں کہا، کیونکہ وہ تو کامل الایمان آدمی تھے، ان کو روحانی بیماری نہیں بلکہ جسمانی بیماری لاحق تھی، وہ پیٹ درد کے ساتھ زمین پر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، ان کی دردناک حالت دیکھ کر آپؐ نے فرمایا اٹھ نماز پڑھ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شِفَاءً نماز شفا ہے، حضرت ابوہریرہؓ اٹھے، وضو کیا اور نماز پڑھی تو ان کا درد ختم ہوگیا، بیماری سے شفا ہوگئی، جن کو یقین ہوتا ہے اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی روحانی اور جسمانی بیماریوں کو دور فرماتا ہے، اس وجہ سے نماز کو رواج دیں، خود بھی پڑھیں اپنے گھر میں بیوی بچوں کو بھی اس کا عادی بنائیں، کیونکہ بیوی بچوں کے بارہ میں انسان سے پوچھ ہوگی، ہم بچوں کو اور ساری چیزوں کے بارہ میں تو تلقین کرتے ہیں لیکن دین اور ارکانِ دین کے بارہ میں تلقین نہیں کرتے، ان کو نماز کا پابند نہیں بناتے، اسی وجہ سے ہم میں جسمانی اور روحانی

بیماریاں بڑھتی چلی جارہی ہیں، دعافرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کواس کے علاج کی توفیق نصیب فرمائے۔

دو بزرگ علماء کی رحلت

اسی ہفتہ میں دو بڑے بزرگ عالم دین دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، دونوں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ تبلیغی جماعت والوں کے خلیفہ تھے، کہتے ہیں کہ موت العالم موت العالم، ایک عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہوتی ہے، اچھے لوگوں کے دنیا سے اٹھ جانے سے دنیا میں خیر و برکت میں بہت کمی واقع ہو جاتی ہے، ایک مدینہ منورہ میں حضرت مولانا عبد الکریم بداتؒ اور دوسرے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کی ہی سیٹ پر مظاہر العلوم سہارنپور میں شیخ الحدیث تھے، بہت بڑے عالم تھے، حضرت شیخ الحدیث صاحب ان سے بہت پیار کرتے تھے، یہ جب چھوٹے تھے تو ان کے بارہ میں انہوں ایک تحریر بھی لکھ کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ اس تحریر کو چالیس سال کے بعد کھولنا، چالیس سال کے بعد جب اس تحریر کو کھولا گیا تو اس میں ان کے بارہ میں لکھا تھا کہ یہ اپنے زمانے کا بہت بڑا عالم ہوگا، چنانچہ وہ بہت بڑے محدث ہوئے، مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث اور صدر المدسین تھے، دونوں حضرات اس ہفتہ میں وفات پا گئے ہیں، دعافرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

دعائیہ کلمات

حافظ محمد بابر صاحب کہہ رہے ہیں میری پھوپھو پچھلے ہفتہ میں وفات پا گئی ہیں، دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی بخشش ومغفرت فرمائے، حافظ محمد اکرم صاحب کہہ رہے ہیں میرا بیٹا سخت بیمار ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے، محمود صاحب کہہ رہے ہیں کہ کچھ دنوں سے بیمار ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بھی صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے، ہمارے یہاں کے ایک نمازی ایوب صاحب جواب لاہور میں مقیم ہیں اور یہاں آتے رہتے ہیں، ان کے بڑے بھائی وفات پا گئے ہیں دعافرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی بخشش ومغفرت فرمائے، ان کے علاوہ بھی جتنے مسلمان مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے وفات پا چکے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ سب کی بخشش ومغفرت فرمائے، جو بیمار ہیں، بہت سے خواتین وحضرات نے دعا کیلئے کہا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے، جو پریشان حال ہیں ان کی پریشانیوں کو دور فرمائے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو دین حق کی سمجھ نصیب فرمائے، اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

(تاریخ خطبہ جمعۃ المبارک: ۱۴ جولائی ۲۰۱۷ء)

[خطاب] مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (انڈیا)

[مرتب] مولانا محمد طیب

دینی مدارس میں عصری تعلیم --- مثبت ومنفی پہلو

حکومت کے تعاون اور اثر سے آزاد برصغیر کے دینی مدارس کی ایک روشن تاریخ رہی ہے، موجودہ دور میں عام طور پر تعلیم وتعلم کا مقصد کسب معاش ہوا کرتا ہے، اسی لئے جب کسی کورس کی ترغیب دی جاتی ہے تو بطور خاص اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس سے آئندہ کیا معاشی مواقع پیدا ہوں گے، عام طور پر ہمارے عصری اداروں میں بہتر روزگار کا حامل شخص پیدا کرنے پر زور دیا جاتا ہے، ڈاکٹر بنایا جاتا ہے، انجینئر بنایا جاتا ہے، وکیل اور ہنرمند بنایا جاتا ہے، ادیب اور جرنلسٹ بنایا جاتا ہے، لیکن انسان کو سچ مُچ کا انسان بنانے پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

دینی مدارس نے اپنا مقصد بنایا ہے اچھے انسان پیدا کرنا، اس مقصد کے لئے اسلامی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا اور ہر طرح کی آمیزش سے اس کو محفوظ رکھنا، مدارس کی یہ تحریک جس دور میں شروع ہوئی، اس وقت ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط تھا، انہوں نے یہاں کے قدیم نظام تعلیم کو ختم کر کے ایک نئے نظام تعلیم کی بنیاد رکھی تھی، اس نظام میں مذہبی تعلیمات اور اخلاقی اقدار کا کوئی گزر نہیں تھا، بلکہ اس میں دین بیزاری اور اخلاقی بندشوں سے آزادی کو نہایت ذہانت کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا، اس پس منظر میں علماء نے ایسے ادارے قائم کئے، جو خالصتاً دینی تعلیم کے تھے، کیوں کہ عصری تعلیم کے لئے تو حکومت خود ہی ہر طرح کی سہولت فراہم کر رہی تھی، اس لئے مدارس کے نصاب میں جدید علوم پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، بنیادی توجہ دینی تعلیم پر کی گئی، پھر جب اس ملک سے انگریز چلے گئے تو کیا مدارس کے تعلیمی نظام کو اسی نہج پر قائم رہنا چاہئے یا اس میں عصری نظام کی بھی شمولیت ہونی چاہئے؟ اس میں مسلمانوں کے درمیان نقطۂ نظر کا اختلاف پیدا ہوا، یہ اختلاف آج بھی ہے، اور اس میں خاصا افراط وتفریط پایا جاتا ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ مدارس میں تھوڑی سی بھی عصری علوم کی شمولیت نہیں ہونی چاہئے، دوسری انتہا پر وہ حضرات ہیں جو نہ صرف عصری علوم کی شمولیت کے حامی ہیں، بلکہ چاہتے ہیں کہ ایک شخص بیک وقت عالم بھی ہو

اور ڈاکٹر بھی، عالم بھی ور انجینئر بھی، اسی طرح مختلف علوم وفنون کے ماہر علماء وجود میں آئیں، حقیقت یہ ہے کہ راہ اعتدال ان دونوں کے درمیان ہے، نہ یہ مناسب ہے کہ دینی علوم حاصل والے طلبہ کو مکمل طور پر عصری علوم سے محروم رکھا جائے، اور جب وہ مدرسہ سے نکل کر میدان عمل میں آئیں تو ایسا محسوس کریں کہ وہ کسی اور دنیا میں آ گئے ہیں، اور نہ یہ بات قابل عمل ہے کہ ایک شخص بیک وقت اسلامی علوم میں بھی بصیرت حاصل کر لے اور عصری تعلیم کے کسی شعبہ کا بھی ماہر ہو جائے۔

اس سلسلہ میں غور کرتے ہوئے ہمیں پانچ نکات کو مدنظر رکھنا چاہئے، اول یہ کہ اسلام میں عصری علوم کی حیثیت کیا ہے؟ دوسرے مدارس میں عصری علوم کو شامل کرنے کے فائدے کیا ہیں اور نقصانات کیا ہیں؟ تیسرے عصری علوم حاصل کرنے کے بارے میں اکابر علماء کی کیا رائے رہی ہے، چوتھے اگر عصری علوم دینی مدارس کے نصاب میں شامل کئے جائیں تو اس کے لئے قابل عمل صورت کیا ہو سکتی ہے کہ طلبہ مدارس عصری علوم سے بھی آشنا ہوں اور دینی تعلیم کے اصل مقصد کو بھی نقصان نہ پہنچے۔

جہاں تک عصری علوم کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کی بات ہے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام کسی بھی ایسے علم کا مخالف نہیں ہے، جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء فرمایا کرتے تھے: اللّٰھم انی أسئلك علما نافعا۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۹۲۴) اے اللہ! ”میں آپ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو نافع ہو“ نافع ہونا دوصورتوں کو شامل ہے، دین اور آخرت کے لئے نافع ہونا، دنیا میں انسان جن ضرورتوں سے دوچار ہیں، ان ضرورتوں کو حاصل کرنے میں نافع ہونا، اس لئے وہ تمام علوم جو کسی جہت سے انسان کو نفع پہنچاتے ہیں، اسلام کی نظر میں پسندیدہ علوم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب ارشاد فرمایا: الكلمة الحكمة ضالة المؤمن۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۸۷) ”علم وحکمت کی بات مومن کا گم شدہ اثاثہ ہے“ یعنی جیسے انسان اپنی گمشدہ چیز کے حاصل کرنے کا مشتاق رہتا ہے، یا خاندان کے گمشدہ عزیز کے پانے پر خوش ہوتا ہے، اسی طرح اگر کوئی علم وحکمت کی بات مسلمان کو حاصل ہو تو اسے شوق ومحبت کے ساتھ اس کا استقبال کرنا چاہئے، اس لئے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مفید عصری علوم کا حاصل کرنا پسندیدہ بات ہے، اور اسلام ہرگز اس کا مخالف نہیں ہے۔

یہی صورت حال زبانوں کی ہے، عربی زبان کو یقیناً ایک خصوصیت اور عظمت حاصل ہے، کیوں کہ اسی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا، اسی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ومعمولات محفوظ کئے گئے اور اسلامی علوم کے سرمایہ کا بڑا حصہ اسی زبان میں محفوظ ہے، لیکن زبانیں سب کی سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اللہ کی

نعمت ہیں، کوئی زبان حقیر نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی یا سُریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، (صحیح ابن حبان ۷۱۳۶) جو یہودیوں اور عیسائیوں کی زبان تھی، اس لئے انگریزی یا دوسری مشرقی ومغربی زبانوں کی تعلیم وتعلم میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارسی النسل تھے اور انہوں نے قرآن مجید کی بعض سورتوں کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے عرب وہند کے تعلقات میں لکھا ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں عرب تجار ہندوستان میں تشریف لائے اور انہوں نے مالابار کے علاقہ میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، انہوں ایک ہندو راجہ کے مطالبہ پر قرآن مجید کا مقامی زبان میں ترجمہ بھی کیا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے زبان کے معاملہ میں کسی تنگ نظری سے کام نہیں لیا اور جہاں پہنچے وہاں ان کی زبان اختیار کرتے ہوئے ان تک اللہ تعالیٰ کا دین پہنچایا، انگریزی زبان کا بھی یہی معاملہ ہے، بلکہ اگر غور کریں تو انگریزی زبان کے انٹرنیشنل حیثیت حاصل کر لینے میں خیر کا ایک بڑا اہم پہلو ہے، کیوں کہ پہلے زمانہ میں اگر پوری دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہوتا تو نہ جانے کتنی زبانیں سیکھنی ہوتیں، آج صرف انگریزی زبان سیکھ کر پوری دنیا تک اسلام کی دعوت پہنچائی جا سکتی ہے، اس لئے اسلام نہ کسی نافع علم کا مخالف ہے اور نہ کسی زبان کا، اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے علم کو انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کرے اور زبان کو اچھی باتوں کی طرف دعوت کا ذریعہ بنائے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ عصری علوم کو حاصل کرنے کے فائدے کیا ہیں اور نقصانات کیا ہیں؟ اگر غور کیا جائے تو علماء کے انگریزی زبان اور عصری علوم حاصل کرنے سے مختلف دینی فائدے متعلق ہیں، اول یہ کہ اس طرح وہ برادران وطن تک بہتر طریقہ پر اسلام کی دعوت پہنچا سکتے ہیں، کیوں کہ انگریزی ایسی زبان ہے، جو ملک کے تمام علاقوں میں پڑھے لکھے لوگوں کے درمیان بولی اور سمجھی بھی جاتی ہے، اور دعوت دین کے کام میں عصری معلومات مؤثر رول ادا کر سکتی ہیں، دوسرا اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے خلاف ایک زبردست فکری یلغار جاری ہے، قرآن مجید، حدیث نبوی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اسلامی شریعت غرض کہ دین کے ہر شعبہ پر حملے کئے جا رہے ہیں اور خود مسلمانوں کی نئی نسل میں تشکیکی ذہن پیدا ہو رہا ہے، اگر چہ کہ اب ہندوستان میں سنگھ پریوار کے لوگ بھی اسلام کے خلاف غلط فہمیاں کرنے کا کام بڑے پیمانے پر کر رہے ہیں، لیکن ان سب کا سرچشمہ یہودی اور عیسائی مستشرقین ہی کا مواد ہے، جو انگریزی زبان میں ہے، اس لئے اگر آج علماء دفاعِ اسلام کا کام کرنا چاہیں تو ان کے لئے انگریزی زبان سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے، کیوں کہ دعوت دین کا کام تو عوام بھی کر سکتے ہیں اور

کررہے ہیں، اسی لئے قرآن مجید میں فریضۂ دعوت کا مخاطب پوری امت کو بنایا گیا ہے۔ ’’کنتم خیر امۃ أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر۔‘‘ (آل عمران ۱۱۰) لیکن دفاع اسلام کا کام علماء ہی کر سکتے ہیں اور علماء نے ہمیشہ اس کام کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

عباسی دور میں جب یونانی فلسفہ عالم اسلام داخل ہوا اور یہ علوم تشکیکی ذہن پیدا کرنے کا سبب بننے لگے تو امام غزالیؒ اُٹھے اور انہوں نے فلسفہ ومنطق کے اصولوں پر ان سوالات کے جوابات دیے، پھر آگے علامہ ابن تیمیہؒ علم کے اُفق پر نمودار ہوئے تو انہوں نے اقدامی طریقۂ کار اختیار کرتے ہوئے خود فلاسفہ یونان کے افکار کو غلط ثابت کیا اور اس طرح دفاعِ اسلام کا بہت بڑا کام انجام پایا، افسوس کہ موجودہ دور میں ہم اس سے غافل ہوگئے ہیں اور ہماری زیادہ تر توجہ باہر سے ہونے والی فکری یلغار کے مقابلہ باہمی مسلکی اختلاف کی طرف ہوگئی ہے، ہندوستان میں تعلیمی اعتبار سے دو اہم دبستان ہیں، دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے پوری زندگی آریہ سماجی اور ہندو احیاء پرستی کے مقابلہ میں لگائی، اور تحریک ندوۃ العلماء کے مؤسس حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے عیسائیت اور قادیانیت کے رد کو اپنی زندگی کا مشن بنایا، یہ فضلاء کے لئے خاموش پیغام ہے کہ ان کی توجہ کا اولین ہدف دفاعِ اسلام ہونا چاہئے اور اس کے لئے انگریزی زبان، مغربی افکار اور مغربی اور ہندوستانی تاریخ سے واقف ہونا ضروری ہے۔

عصری علوم سے واقفیت کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہمارے فضلاء عصری درسگاہوں اور بالخصوص انگلش میڈیم اسکولوں میں بہتر طور پر کسی احساس کمتری کے بغیر اسلامیات کی تعلیم دے سکتے ہیں، یہ ایک اہم کام ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کام کی اہمیت بڑھتی جارہی ے، اللہ کا شکر ہے کہ مسلم مینجمنٹ کے تحت چلنے والے اداروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور وہاں اسلامیات کی تعلیم کے لئے ایسے اساتذہ کی ضرورت پڑ رہی ہے جو انہیں انگریزی زبان میں دینی تعلیم دے سکیں، اردو زبان میں اگر انہیں تعلیم دی جائے تو اول تو بہت سے طلبہ اسے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، دوسرے چونکہ اس وقت انگریزی زبان کا جادو پورے ماحول پر اثر انداز ہے، اس لئے طلبہ اردو زبان میں ہونے والی تعلیم کو قدر و وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور خود مدرس میں بھی احساس کمتری پیدا ہوجاتا ہے۔

اسی سے قریب تر چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اگر علماء انگریزی زبان سے واقف ہوں تو وہ بہتر طور پر نئی نسل سے مخاطب ہو سکتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے دینی مدارس اور علماء کا طبقہ عربی و فارسی آمیز الفاظ نیز علمی

اصطلاحات سے بوجھل جس طرح کی اردو بولتا ہے، وہ اکثر نئی نسل کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے، بہت سے نوجوان عقیدت کے جذبہ اور ادب کے تقاضے سے سر جھکا کر بظاہر توجہ کے ساتھ ہم جیسوں کی بات سنتے ہیں، لیکن پھر اگر وہ کوئی سوال کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارے خطاب کی بنیادی باتوں کو بھی نہیں سمجھ پائے، اس لئے یہ بات بہت ضروری ہوگئی ہے کہ خود مسلمانوں میں دعوت واصلاح کے کام کے لئے علماء انگریزی زبان سیکھیں، اور انگریزی آمیز اردو میں اپنی بات نئی نسل کے سامنے پیش کریں۔

ان فوائد کے علاوہ اس بات کی بھی توقع ہے کہ اگر علماء عصری علوم سے واقف ہوں تو وہ اسلامی ماحول اور دینی تربیت کے ساتھ عصری تعلیم کے ادارے قائم کر سکیں گے، نیز اِس وقت دینی مدارس کی طرف آنے کا رجحان جس تیزی سے کم ہو رہا ہے اور بڑے مرکزی مدارس کے علاوہ اکثر دینی درسگاہوں میں طلبہ کی تعداد گھٹتی جارہی ہے، اس کا بھی تدارک ہوگا اور جب والدین دیکھیں گے کہ ان مدارس میں بھی ہمارے بچے دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کو حاصل کر رہے ہیں، تو ان شاء اللہ مدارس کی طرف رجحان بڑھے گا۔

دینی مدارس کے نصاب میں عصری علوم اور انگریزی زبان داخل کرنے کے بعض منفی پہلو بھی ہیں اور اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر اہم ہیں، ایک یہ کہ جن اداروں میں اس کا تجربہ کیا جارہا ہے، وہاں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ایسا نصاب پڑھنے والے طلبہ نہ اچھے عالم بن سکے اور نہ عصری علوم میں کوئی کمال حاصل کر سکے، یہ ایک بجا شکوہ ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اس بیماری کا علاج کیا جاسکتا ہے، اصل میں جن لوگوں نے اس طرح کے نصاب بنائے ہیں، عام طور پر ان کا تعلق عصری علوم سے تھا، انہوں نے نصاب میں توازن کا خیال نہیں رکھا، وہ اس بات پر کما حقہ توجہ نہیں دے سکے کہ کسی نصاب کے کامیاب ہونے کے لئے صرف یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ اچھے مضامین پر مشتمل ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قابل عمل ہو، اگر مدارس اسلامیہ کے مروجہ نصاب کے تمام مضامین کے ساتھ ساتھ عصری درسگاہوں کا مروجہ پورا نصاب پڑھانے کی کوشش کی گئی تو یہ غیر متوازن نصاب ہوگا، اور یقیناً مفید کے بجائے مضر ہو جائے گا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بعض معترضین کے جواب میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے ”زمانۂ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصانِ استعداد رہتی ہے“، لیکن اگر عصری مضامین کو توازن کے ساتھ شامل کیا جائے اور ایسا نصاب نہ ہو جو طلبہ کے لئے ناقابل برداشت بوجھ بن جائے تو ان نقصانات سے بچا جاسکتا ہے، چنانچہ گذشتہ چودہ پندرہ سالوں سے برصغیر کے بعض مدارس میں اس کا کامیاب تجربہ کیا جارہا ہے، اور اس کے بہتر نتائج سامنے آرہے ہیں۔

دوسرا منفی پہلو یہ ہے کہ دینی مدارس کے بعض فضلاء جب عصری تعلیمی اداروں میں جاتے ہیں تو ان کی شکل وصورت اور سوچ بدل کر رہ جاتی ہے، اور مدارس کی سالہا سال کی محنت رائیگاں ہو جاتی ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کے دو بنیادی اسباب ہیں، ایک یہ کہ مدارس کے یہ فضلاء انگریزی زبان اور عصری علوم سے بالکل ہی نابلد ہوتے ہیں، اس لئے جب وہ عصری اداروں میں جاتے ہیں تو احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ ایک طرح کی مرعوبیت کا شکار بن جاتے ہیں اور یہ انسانی فطرت ہے کہ جب آدمی کسی شخص یا حلقہ سے مرعوب ہوتا ہے تو اس کو اپنی ہر چیز حقیر نظر آنے لگتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی ہر ایک چیز کو اپنا لے، خواہ وہ اچھی ہو یا بُری، اگر مدارس کے فضلاء پہلے سے ایک حد تک عصری علوم سے واقف ہوں تو وہ ان شاء اللہ اس صورت حال سے محفوظ رہیں گے، ادھر کچھ عرصہ سے مختلف مدارس میں فراغت کے بعد انگریزی زبان کا کورس شروع ہوا ہے، یہ فضلاء ماشاء اللہ اپنی پوری پہچان کے ساتھ عصری اداروں میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ نہ صرف احساسِ کمتری سے محفوظ ہیں بلکہ ان کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوا ہے، دوسرے اگر کوئی طالب علم آٹھ سال دس سال پڑھ کر عصری تعلیم کے اداروں میں جائے اور وہ چند مہینوں میں تبدیل ہو جائے تو مدارس کے ذمہ داران کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے نظام تربیت کا بھی جائزہ لے کہ ضرور ہمارے نظام تربیت میں کچھ کمی پائی جاتی ہے اور اس کی اصلاح کریں۔

اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دینی مدارس میں انگریزی زبان اور عصری تعلیم کے بعض منفی پہلو بھی سامنے آئے ہیں، لیکن وہ ناقابل علاج نہیں ہیں، ہم بہتر تعلیم وتربیت کے ذریعہ ان کا تدارک کر سکتے ہیں۔

دینی مدارس میں عصری مضامین کے شامل کرنے سے متعلق تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس میں امت کے معتبر علماء اور بزرگوں کی کیا سوچ رہی ہے؟ اس سلسلہ میں اگر مختلف اہل علم کے افکار کا جائزہ لیا جائے تو واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ عصری تعلیم اور انگریزی زبان پڑھنے پڑھانے کے مخالف نہیں تھے، شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا عبد الحئی فرنگی محلیؒ جیسے اکابر علماء نے انگریزی زبان کے پڑھنے کی اجازت دی ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اجازت بھی دی ہے اور بہتر مقاصد کے لئے اس کے حاصل کرنے کو مستحسن بھی قرار دیا ہے، حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاوی (مؤلف مصباح اللغات) نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے، اور علماء دیوبند کے بارے میں جو یہ بات مشہور ہے کہ انہوں نے انگریزی زبان پڑھنے پڑھانے کو ناجائز قرار دیا تھا، اس کی تردید کی ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے سرسید احمد خاں مرحوم کو ایک خط لکھا اور اس میں تحریر فرمایا:

''اس کے بعد (یعنی دار العلوم دیوبند کے تعلیمی نصاب سے فارغ ہونے کے بعد) اگر طلبۂ مدرسہ ہذا مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ثابت ہوگی۔''

مشہور مصنف حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت مولانا مفتی محمد احمد صاحبؒ (سابق صدر مفتی ریاست دکن و مہتمم دار العلوم دیوبند) سے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے آخری سفر حج کے دوران پانی جہاز میں اٹلی کے رہنے والے کپتان سے ملاقات ہوئی، مولانا کی طرف لوگوں کے رجوع کو دیکھ کر اس کے دل میں آپ کی عقیدت پیدا ہوگئی اور اس نے آپ سے اسلام کے متعلق بعض باتیں دریافت کرنی چاہیں، آپ نے ایک انگریزی جاننے والے شخص کی وساطت سے اس کے جوابات دیئے، وہ اس قدر متاثر ہوا کہ قریب تھا کہ اسلام قبول کر لے؛ لیکن خود آپ درمیانی شخص کی ترجمانی سے مطمئن نہیں تھے، ذہین آدمی چاہے کسی زبان سے واقف نہ ہو، مگر ترجمانی کس درجہ صحیح ہو رہی ہے؟ اس کا اندازہ کر لیتا ہے، اس وقت آپ نے ارادہ کیا کہ دیوبند واپس آنے کے بعد میں انگریزی زبان سیکھوں گا، ظاہر ہے اس کا مقصد یہی تھا کہ ان کو ان کی زبان میں اسلام کی دعوت دی جائے اور شکوک وشبہات دور کئے جائیں۔

حضرت نانوتویؒ نے ابتدائی دور میں دار العلوم کا جو نصاب بنایا، اس میں سنسکرت زبان کو بھی شامل رکھا تھا، کیوں کہ اس زمانہ میں آریہ سماجیوں کی طرف سے فتنہ ارتداد پھیلانے کی جان توڑ کوششیں ہو رہی تھیں، پھر یہ بات محسوس کی گئی کہ ابتدائی سنسکرت سے واقفیت کافی نہیں ہے، تو دار العلوم کی شوریٰ نے طے کیا کہ سنسکرت کی معیاری تعلیم کے لئے کچھ طلبہ کو خصوصی وظائف دیے جائیں تا کہ جہاں سنسکرت زبان کی تعلیم ہوتی ہے، وہ وہاں جا کر اچھی تعلیم حاصل کر سکیں اور یہ کچھ زبان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ تمام ہی عصری علوم کو دار العلوم کے اکابر اہمیت دیا کرتے تھے، دار العلوم نے شروع سے فلکیات، ریاضی، جیومیٹری اور علم طب کو داخل نصاب کیا تھا، ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم کی شوریٰ نے طے کیا تھا کہ تعلیم طب کے ساتھ ساتھ طریقۂ مطب، جراحی اور دواسازی یعنی سرجری اور فارمیسی کی بھی تعلیم دی جائے، اس کا ذکر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی حیات ہی میں پیش کی جانے والی روداد میں موجود ہے، جو حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے پیش کی تھی۔ (تاریخ دار العلوم ۱/۱۰۶)

خود دار العلوم دیوبند کے نصاب مرتّبہ ۱۹۹۳ء میں تیسری جماعت میں تاریخ ہند، تاریخ اسلام، علم شہریت، عالم اسلام کا جغرافیہ اور جغرافیہ عالم شامل نصاب ہے اور عربی کی چوتھی جماعت میں جنرل سائنس (کیمیا، طبیعات،

علم الحیوان، علم النباتات) کے علاوہ اصول حفظان صحت، دستور ہند کے کچھ ضروری ابواب، معاشیات کی مبادیات اور جدید فلاسفہ کے نظریات شامل رکھے گئے ہیں، تاریخ دار العلوم میں اس کا ذکر موجود ہے، گویا انگریزی زبان کے علاوہ تمام ہی عصری علوم کے بنیادی مضامین کو شامل نصاب رکھا گیا ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے تقریباً ۱۹۳۳ء میں آسام اور بنگال کے دینی مدارس کے لئے ایک نصابِ تعلیم مرتب کیا تھا، یہ نصاب قدیم صالح اور جدید نافع کے امتزاج کا بہترین نمونہ ہے، انہوں نے اس نصاب کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا ہے، ابتدائیہ: جس کی مدت ۳ سال ہے، ثانویہ: جس کی مدت ۵ سال ہے اور مرحلۂ عالیہ جس کی مدت ۸ سال ہے، اس نصاب میں انہوں نے اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ معاون اسلامی وعصری علوم کو بڑی فراخدلی کے ساتھ شامل کیا تھا، تاریخ میں تاریخ ہند بھی، تاریخ اسلام بھی اور تاریخ یوروپ بھی، جغرافیہ میں ملکی وایشیائی جغرافیہ اور اس کی نقشہ سازی کی مشق، قانون میں دستور برطانیہ کیوں کہ اس وقت ہندوستان آزاد نہیں ہوا تھا، معاشیات میں ہندوستان کی معیشت اور زرعی نظام سے مربوط مسائل، سیاست میں اصول سیاست پر قدیم وجدید کتابیں، ریاضی، جدید سائنس، عمارت کی نقشہ نویسی اور پیمائش، فلکیات، ٹکنالوجی میں کپڑا بُنائی، نجاری، گھڑی سازی وغیرہ، اور زبان میں انگریزی زبان، نیز مولاناؒ نے اس میں مقامی زبان کو بھی بڑی اہمیت دی ہے؛ چوں کہ یہ نصاب بنگلہ زبان کا تھا، اس لئے بنگلہ زبان کو خصوصی اہمیت کے ساتھ شامل نصاب کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ مولاناؒ نے پریڈ اور فزیکل ورزش نیز یونیفارم کو بھی تعلیمی نظام کا حصہ بنایا ہے، واقعہ ہے کہ یہ نصاب بے حد اہم اور قابل استفادہ ہے، اور مولاناؒ کی وسیع النظر فی موجودہ دور کے بعض شدت پسند نوجوان فضلاء کے لئے مشعل راہ ہے کہ آپ نے قدیم طرز کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی، مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیا، لیکن آپ کے اِس مجوّزہ نصاب میں تمام عصری مضامین شامل ہیں اور علی گڑھ، جامعہ ملیہ اور عثمانیہ یونیورسٹی کے اساتذہ کی کتابیں بھی ہیں، نیز اپنے زمانہ سے باخبری کے لئے بعض ایسی کتابوں کا بھی مشورہ دیا گیا ہے، جو ہندو فرقہ پرستوں کی ہیں یا اس زمانہ کے احوال پر تبصرہ سے متعلق ہیں۔

میں نے خاص طور پر دار العلوم اور اس کے اکابر کا ذکر اس لئے کیا کہ ان کا مطمح نظر خالص اسلامی علوم ہی کو پڑھانا تھا، رہ گیا ندوۃ العلماء یا جنوبی ہند کی معروف درسگاہ جامعہ نظامیہ وغیرہ، تو ان اداروں کا مقصد ہی یہی تھا کہ عصری علوم کے ایک حصہ کو شامل کرتے ہوئے دینی علوم کی تعلیم دی جائے، اور اسی تصور کے ساتھ ان اداروں کے نصاب تیار کئے جائیں، لیکن افسوس کہ اس کے باوجود عمومی طور پر دینی مدارس میں اس سوچ کی پذیرائی نہیں ہوسکی،

اور آج بھی بیشتر مدارس میں عصری علوم کو شامل کرنے کی فکر نہیں پائی جاتی۔

ایک تصور ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے کہ جو نصاب زمانہ قدیم سے آ رہا ہے، اس سے کوئی چھیڑ چھاڑ ہرگز نہیں کرنی چاہئے، لیکن جس مبالغہ کے ساتھ یہ بات کہی جاتی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، ہمارا یہ نصاب درس نظامی کہلاتا ہے، اس کی بنیاد تو ملا قطب الدین سہالویؒ نے رکھی ہے، لیکن اس کو فروغ ملا نظام الدین فرنگی محلی کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اسی لئے یہ درس نظامی کہلایا، اصل درس نظامی ۵۲ کتابوں پر مشتمل تھا، جس میں ۲۵ کتابیں منطق کی تھیں، ۶ ریاضی کی اور ۲۱ کتابیں اسلامی علوم کی، تفسیر میں جلالین اور بیضاوی، حدیث میں صرف مشکوٰۃ شریف، فقہ میں شرح وقایہ کا پہلا اور دوسرا حصہ اور ہدایہ کا تیسرا اور چوتھا حصہ، اصول فقہ میں تین، علم کلام میں معقولی انداز کی چار کتابیں، یہی پورا نصاب تھا، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معقولات پر کتنی زیادہ توجہ دی جاتی تھی اور خالص اسلامی علوم پر کتنی کم، اور حدیث جیسے اہم مضمون میں صرف مشکوٰۃ المصابیح پر اکتفاء کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو کہ انہوں نے درس نظامی کے بعض مضامین کو شامل کرتے ہوئے ایک نیا نصاب بنایا جو ۲۹ کتابوں پر مشتمل تھا، اس میں تفسیر کی دو، حدیث کی تین، علم کلام کی تین، اصول فقہ کی دو، تصوف کی چار کتابیں اور فقہ میں صرف شرح وقایہ پڑھائی جاتی تھی، یہ یقیناً ایک بہتر تبدیلی تھی کہ ملا نظام الدین کے نصاب میں تو ۵۲ کتابوں میں سے صرف بارہ ایسی کتابیں تھیں، جن کا تعلق براہ راست اسلامی علوم سے تھا اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے یہاں ۲۹ میں سے ۱۵ کتابیں براہ راست علوم اسلامی سے متعلق تھیں، مولانا عبدالحئی حسنیؒ کی نصاب تعلیم سے متعلق کتاب اور شاہ ولی اللہ صاحب کی ''الجزء اللطیف'' میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، اس لئے حقیقت میں دارالعلوم دیوبند اور موجودہ دور کے دیگر مدارس کے نصاب میں ملا نظام الدین کے نصاب سے زیادہ شاہ ولی اللہ صاحب کے نصاب سے استفادہ کیا گیا ہے، لیکن اس سے بہر حال یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر دور میں علماء نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق نصاب میں تبدیلی کی ہے اور اگر یہ عمل حقیقت پسندی کے ساتھ ہو تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے وحشت محسوس کی جائے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مدارس کے نظام میں اس طرح کی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، مگر اس تبدیلی میں عصری علوم کی شمولیت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جس نصاب کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، مولانا نے اس میں لکھا ہے کہ ہر تین سال میں نصاب پر نظر ثانی ہونی چاہئے۔

چوتھا قابل غور پہلو یہ ہے کہ اگر مدارس کے مروّجہ نصاب میں عصری علوم کو شامل کیا جائے تو ایسی کیا شکل ہوسکتی ہے

کہ دینی تعلیم کو متأثر کئے بغیر عصری مضامین کی تعلیم دی جا سکے، راقم الحروف کے خیال میں اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اول یہ کہ دسویں جماعت تک مشترکہ نصاب ہو، جو کتابیں عصری درسگاہ میں پڑھائی جاتی ہیں، بعض تبدیلیوں کے ساتھ وہ مدارس میں بھی پڑھائی جائیں، عصری درسگاہوں میں درس کا دورانیہ کم ہوتا ہے، چالیس منٹ کی پانچ سے سات گھنٹیاں ہوتی ہیں، بعض جگہ تو صرف ۳۵ منٹ کی گھنٹیاں ہوتی ہیں، اس طرح اوقاتِ تعلیم کم و بیش چار گھنٹے ہوتے ہیں، دینی مدارس میں چھ گھنٹے تو لازماً اسباق پڑھائے جاتے ہیں اور بعض دفعہ فجر کے بعد ہی سے اسباق شروع کر دیے جاتے ہیں، اس لحاظ سے مدارس کے مروجہ آٹھ سالہ نصاب میں سے پہلے تین سال کے وہ مضامین جو عربی زبان اور فن کی ابتدائی کتابوں سے متعلق ہیں، بآسانی اس دس سال میں سموئے جا سکتے ہیں، اس دس سالہ نصاب کے بعد جیسے عصری تعلیم حاصل کرنے والے مزید پانچ سال میں گریجویشن کرتے ہیں، اسی طرح جو طلبہ عالم کورس کرنا چاہیں، وہ پانچ سال میں درس نظامی کے مروجہ نصاب کو مکمل کر لیں، پھر عصری تعلیم حاصل کرنے والے جیسے مزید دو سال کا وقت لگا کر ماسٹر کی ڈگری حاصل کرتے ہیں، اسی طرح دینی تعلیم حاصل کرنے والے افتاء اور تکمیل و تخصص وغیرہ کا کورس کر سکتے ہیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جو طلبہ دسویں جماعت کے بعد عالم کورس کی تعلیم حاصل کریں گے، وہ بنیادی عصری علوم سے واقف ہوں گے، اور جو آگے عصری علوم حاصل کرنا چاہیں گے، وہ بنیادی دینی تعلیم حاصل کر چکے ہوں گے اور ایک ساتھ دینی و عصری تعلیم کا ایسا بوجھ نہیں پڑے گا، جو طلبہ کے لئے ناقابل تحمل ہو جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے ایک تین سالہ نصاب ڈیزائن کیا جائے تاکہ وہ انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی آشنا ہو جائیں، فی الحال کئی اداروں نے فارغین مدارس کے لئے انگریزی کا دو سالہ نصاب شروع کیا ہے، اس سے زبان تو آ سکتی ہے، لیکن دوسرے عصری مضامین سے مناسبت پیدا نہیں ہو سکتی، حالاں کہ یہ بھی ضروری ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ درس نظامی کی تعلیم کے ساتھ اعدادیہ تا درجہ چہارم عربی پانچ سال کے عرصہ میں ہر جماعت میں ۴۵۔۴۵ منٹ کی دو گھنٹیوں کا اضافہ کیا جائے، ایک گھنٹی انگریزی زبان کے لئے مخصوص ہو اور ایک گھنٹی میں ہفتہ میں دو دو دِن جنرل سائنس، حساب اور تاریخ ہند کے مضامین شامل کئے جائیں، پھر پنجم عربی سے لے کر دورۂ حدیث تک کے مرحلہ کو مروجہ درس نظامی کی کتابوں ہی کے لئے خالص رکھا جائے، ابتدائی پانچ سالہ مدت میں انگریزی اور عصری مضامین کو شامل کرنا بہت دشوار نہیں ہے، اگر منطق و فلسفہ کے مضامین کو اصطلاحات کے تعارف

تک محدود کر دیا جائے اور جو مضامین مقصود ہیں، یعنی تفسیر، حدیث، عقیدہ، اصول کے علاوہ دوسرے مضامین سے مکررات کو کم کر دیا جائے، تو بسہولت یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس کی تعلیم کو دینی مقاصد کے لئے زیادہ مؤثر اور مفید بنانے کی غرض سے مروجہ نصاب تعلیم پر غور مکرر کی ضرورت ہے، اس بات کی ضرورت نہیں کہ بہت زیادہ تبدیلی کی جائے بلکہ معمولی حذف واضافہ کے ذریعہ ضروری حد تک عصری مضامین کو شامل کیا جاسکتا ہے، بدلتے ہوئے حالات میں اگر ہم نے اس طرف توجہ نہیں دی اور جیسے ہمارے بزرگوں نے اپنے زمانہ کے احوال کے لحاظ سے تعلیم وتربیت کا نظام بنایا تھا، اگر ہم نے اس کو ملحوظ نہیں رکھا تو علماء پر اسلام کی دعوت وحفاظت کا جو فریضہ عائد ہوتا ہے، اندیشہ ہے کہ مستقبل میں وہ اس کو صحیح طور پر ادا نہیں کر پائیں، وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

(بقیہ صفحہ ۵۰)

وہ اگر سرکار کی کسی مسجد میں ملازم ہوا تو اس کی عزت وتوقیر بھی پاؤں تلے روندی گئی، کسی اوقاف کے منیجر نے اس کو ہاتھ باندھ کر کھڑا کیا تو دوسری جانب کسی انگریز فوجی یونٹ کے کرنل نے بلا کر کہا، او مولوی تمہیں سمجھ نہیں آتی یہ تم کیا قرآن کے الٹے سیدھے معانی نکالتے رہتے ہو، انسان کے بچے بن جاؤ ورنہ کوارٹر گارڈ بھی بند کر دوں گا، تمسخر، تضحیک، ذلت، لطیفے بازی سب اس مولوی کا مقدر تھی اور ہے، اب تو اگر کوئی اس حلیے کا شخص کسی چیک پوسٹ پر آ جائے تو دہشتگردی کے شبہ میں تلاشی کے عذاب سے بھی گزرتا ہے، لیکن اس سب کے باوجود اس دور کی پر آشوبی میں دین کی اگر کوئی علامت ہے تو اس بوسیدہ سی مسجد کے چھوٹے سے کوارٹر میں رہنے والا مولوی، اسلام صرف مولوی کا نہیں ہم سب کا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز صرف مولوی سے نہیں پوچھے گا کہ تم نے دین کا علم حاصل کرنے اور پھیلانے میں اپنی ذمے داری ادا کی بلکہ ہر مسلمان سے یہ سوال ہوگا، اس سے بھی جو مسلمان کہلاتا ہے لیکن مسلمان بنتا نہیں اور اس سے بھی جو مسجد میں چندہ دے کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ دین کا فرض ادا ہوگیا، یہ رویہ جو گزشتہ دوسو سال سے انگریز نے اس معاشرے میں پیدا کیا ہے جس نے مولوی کو تمسخر کا نشانہ بنایا ایسے معاشرے میں جب ایک خاتون۔۔۔ عالمِ دین اور پابندِ شرع شخص کو اوئے، ابے، جاہل اور ایسے ذلت آمیز الفاظ سے بلاتی ہے تو تعجب کیسا۔ ایسا وہ معاشرے کے کسی اور طبقے سے کر کے دکھائے۔ زندگی جہنم نہ بنا دیں اس کی، کسی پارٹی کے لیڈر کو اس طرح ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کرے۔ ہر کسی کا زور مولوی پر چلتا ہے۔

مولانا سید محمد اکبر شاہ بخاری جام پور
مدیر مدرسہ اشرفیہ احتشام العلوم جامع مسجد عثمانیہ

ممتاز عالم وخطیب حضرت مولانا علی اصغر رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ اشرفیہ لاہور کے سابق سینئر استاذ اور جامع مسجد انارکلی لاہور کے خطیب، ممتاز عالم دین حضرت مولانا علی اصغر عباسیؒ ۲۰ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۷ جنوری ۲۰۱۹ء بروز اتوار ۸۰ سال کی عمر میں رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ابھی چند روز قبل حضرت مولانا محمد احمد بہاولپوریؒ جو تبلیغی جماعت کے عظیم عالمی مبلغ اسلام تھے وہ وفات پا گئے تھے، اُن سے قبل کئی اکابر علماء ومشائخ چلے گئے، ایسے بزرگوں کا دنیائے فانی سے جلدی جلدی رخصت ہوجانا علامات قیامت میں سے ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اوران اکابر کو اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔

حضرت مولانا علی اصغر عباسیؒ ۳ مارچ ۱۹۳۹ء میں ریشیاں ضلع ایبٹ آباد میں الحاج فیض رسول عباسی مرحوم کے گھر پیدا ہوئے جو ایک متقی، دیندار اور متشرع انسان تھے، تحریک پاکستان کے صوبہ سرحد ریفرنڈم میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کے ساتھ مل کر سرگرمی سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مجاہدین تحریک میں شمار ہوئے اور ۱۹۸۵ء میں وفات پائی۔ مولانا محمد علی اصغر عباسیؒ نے ابتدائی دینی کتب کی تعلیم اپنے دو چچاؤں مولانا عزیز الرحمٰن عباسیؒ اور مولانا خلیل الرحمٰن عباسیؒ سے پڑھیں، پھر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے ۱۹۵۲ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۷ء/۱۳۷۷ھ میں اکابر علماء ومشائخ سے دورۂ حدیث مکمل کر کے سند الفراغ حاصل کی، آپ کے اکابر اساتذہ میں حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، حضرت مولانا محمد عبیداللہ القاسمی اشرفیؒ اور حضرت مولانا ضیاء الحق اٹکیؒ اور دیگر اساتذہ شامل ہیں، بعدازاں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں ۴ ماہ شعبان تا ذی قعدہ ۱۳۷۷ھ رہ کر تفسیر قرآن پڑھی، اسی طرح دوران تعلیم جامعہ اشرفیہ میں رہ کر ۱۹۵۳ء میں پنجاب

یونیورسٹی سے ''ادیب عربی'' کا امتحان بھی پرائیویٹ طور پر پاس کیا اور پھر ۱۹۵۹ء میں ''مولوی فاضل'' اور ۱۹۶۰ء میں ''فاضل عربی'' کا امتحان لاہور بورڈ سے پاس کیا۔ ۱۹۵۸ء میں جامع مسجد نیلا گنبد انارکلی لاہور میں امام وخطیب مقرر ہوئے، ۱۹۶۸ء میں محکمہ اوقاف نے آپ کو ضلعی خطیب لاہور مقرر کیا اور ۱۹۷۸ء میں مزید ترقی دیتے ہوئے صوبائی وزیر اوقاف پنجاب نے صوبائی خطیب کے منصب پر ترقی دی اور پھر کچھ عرصہ آپ بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب بھی رہے اور وہیں سے آپ ریٹائرڈ ہوئے، محکمہ اوقاف مغربی پاکستان نے آئمہ مساجد وخطباء کی تربیت کیلئے کوئٹہ میں ''اکیڈمی علوم اسلامیہ'' کے نام سے ادارہ قائم کیا جس کے آپ نگران خطباء بھی مقرر ہوئے اس دوران آپ نے علامہ شمس الحق افغانیؒ اور ڈاکٹر معصومی سے خوب استفادہ کیا، اسی سال محکمہ اوقاف نے جامعہ عباسیہ بہاول پور کو جامعہ اسلامیہ کا نام دیا شعبہ فی الدعوۃ والارشاد پاکستان کے آئمہ وخطباء میں آپ کا نام صف اول میں لکھا گیا اور آئمہ و خطباء کے خصوصی کورس میں ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء تقریباً دو سال آپ نے حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ کے علاوہ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا عبداللہ ریاستیؒ اور مولانا قاضی چن پیر الہاشمیؒ جیسے جید علماء کرام سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ نے جامع مسجد نیلا گنبد لاہور کی خطابت اور جامعہ اشرفیہ کی تدریس کے دوران ناقابل فراموش دینی، علمی اور تبلیغی خدمات کے ساتھ تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی بڑا کام کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، آپ نے تقریر وتحریر کے ذریعے باطل نظریات کے خلاف ہمیشہ کلمۂ حق بلند کیا تھا۔

۱۹۷۳ء میں آپ نے حج وزیارت حرمین کی سعادت حاصل کی، ۱۹۸۰ء میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ کی دعوت پر آپ صد سالہ تقریبات دار العلوم دیوبند میں شریک رہے اور گنگوہ، نانوتہ، تھانہ بھون اور سہارنپور میں بھی گئے اور علماء سے ملاقاتیں کیں۔ ۱۹۸۶ء میں مولانا اسعد مدنیؒ کی دعوت پر ''شیخ الہند سیمینار'' میں شرکت کی، اسی طرح ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۳ء میں دو مرتبہ حکومت ایران کی دعوت پر عالمی کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں مولانا عبدالقادر آزادؒ کے ساتھ المؤتمر الاسلامی کی دعوت پر مجلس علماء پاکستان کے وفد میں شریک ہوئے اور مصر، کویت، اردن اور سعودی عرب کے دورے کئے اور حج وزیارت حرمین کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۹۰ء میں بھی آپ نے مع اہلیہ اور بیٹی حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی۔

آپ نے تعلیم کے دوران اور فراغت کے بعد کئی اکابر ومشائخ سے سلوک وتصوف کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء میں حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ سے بیعت ہوئے، پھر حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ سے بیعت کی

اور ۱۹۸۲ء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے آخری دنوں میں بیعت وسلوک وتصوف کی تعلیم حاصل کی، علاوہ ازیں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضر مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مفتی شفیعؒ اور حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ سے بھی فیضیاب ہوتے رہے، الغرض آپ زندگی بھر تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، تبلیغ و وعظ اور خطابت کے ذریعے دین اسلام کی خدمت میں مصروف رہے، ایک بہترین خطیب اور مبلغ اسلام تھے اور ملک و بیرون ملک آپ کی خطابت کا شہرہ تھا، جامعہ اشرفیہ لاہور میں آنے والے اکابر علماء سے بڑے گہرے روابط و تعلقات رہے، بالخصوص علامہ شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ سے خصوصی تعلقات رہے، جامعہ اشرفیہ لاہور میں خود بھی مدرس رہے اور اساتذہ جامعہ کے ساتھ بڑے محبت بھرے تعلقات رہے، حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، حضرت مولانا عبید اللہ القاسمیؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالقادر آزادؒ اور علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ کے ساتھ بڑے گہرے روابط وتعلقات رہے تھے، مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے اجتماعات میں کئی بار شرف یابی حاصل ہوئی اور ان کی خدمت میں احقر راقم الحروف نے کئی مرتبہ اپنی تصانیف پیش کیں جنہیں دیکھ کر مسرت کا اظہار فرماتے رہے اور کئی کتب بذریعہ ڈاک بھی ارسال کیں جن کو اپنے تعریفی خطوط میں بہت سراہا اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

بہرحال آپ کی وفات حسرت آیات سے بڑا صدمہ ہوا ہے اور علماء وخطباء اور مبلغین اسلام کی صف میں ایک عظیم خلا پیدا ہوگیا ہے، آپ کی نماز جنازہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم اور مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے صدر حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی مدظلہ نے پڑھائی، ہزاروں علماء، صلحاء، طلباء اور عوام وخواص نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور لاہور کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

بالخصوص نماز جنازہ میں علامہ ڈاکٹر جسٹس خالد محمود پی ایچ ڈی لندن، مفتی شیر محمد علوی، مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا اکرم کاشمیری، مولانا یوسف خان اور دیگر سینکڑوں حضرات علماء شریک تھے، حق تعالیٰ شانہ درجات عالیہ نصیب فرمائیں اور ان کی دینی، علمی، اصلاحی، تدریسی، تبلیغی وتصنیفی خدمات کو قبول فرمائیں، آمین۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیرے گھر کی دربانی کرے

[مراسلات] مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ

[مرتب] مولانا محمد فیاض خان سواتی

مراسلاتِ مفسرِ قرآنؒ

(باب اول)

اساتذہ کرام سے مراسلت

[قسط۔۳]

(۳) استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالقدیر کیمل پوریؒ کے مکاتیب

''والد ماجد مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ نے جامع المعقول والمنقول، استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر کیمل پوریؒ سے تین سال ۹۔۱۹۳۸ء تا ۴۱۔۱۹۴۰ء مدرسہ انوار العلوم جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں مختلف علوم وفنون کی متعدد کتب پڑھیں، مثلاً تفسیر میں جلالین شریف کامل اور تفسیر بیضاوی سورۃ بقرہ تک، حدیث میں مشکوٰۃ شریف کامل، فقہ میں ہدایہ اخیرین، فلسفہ میں میبذی اور شمس بازغہ اور معقولات میں ملاحسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، میر زاہد، ملا جلال، میر زاہد رسالہ قطبیہ، میر زاہد امور عامہ۔ مولانا عبدالقدیرؒ خاتم المحدثین حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا غلام رسولؒ المعروف بابا انہی والا کے نمایاں شاگرد اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے فاضل تھے، زندگی میں پینسٹھ برس پاک و ہند کے مختلف مدارس میں تدریس فرماتے رہے اور ''ارشاد العلماء فی حیاۃ الانبیاء'' آپ کی معروف کتاب ہے، مندرجہ دوسرے خط میں اسی کتاب کے مسودہ کا انہوں نے ذکر فرمایا ہے، آپ نے ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۹۹۰ء میں اپنے علاقہ مومن پور میں وفات پائی، والد ماجدؒ نے ان کے بارہ میں ایک مفصل تعارفی مضمون لکھا ہے جو ان کی کتاب ''الاکابر'' کے صفحہ ۳۰۴ تا صفحہ ۳۱۳ میں ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔'' (فیاض)

مکتوب اول مولانا عبدالقدیرؒ بنام مفسر قرآنؒ

''بخدمت محترم مولانا المکرّم زاداللہ مجدکم

از بندہ عبدالقدیر بعد سلام مسنون معروض آنکہ کئی دنوں سے آنجناب کی ارسال کردہ کتاب دلیل المشرکین موصول ہوئی، بعض مصروفیات کی وجہ سے عریضہ میں تاخیر ہوئی، رنجش نہ فرمائیں، کتاب میں کافی مفید مسائل مع الدلائل مذکور ہیں۔

ہاں بعض جگہ مسائل میں تساہل کا راستہ لیا گیا ہے، جن سے کچھ افادیت میں نقص آتا ہے لیکن الحمدللہ کہ آپ نے مناسب مقامات پر اپنے تعلیقات میں ان کی کمزوری پر بقدر ضرورت تنبیہ فرمادی، جزاکم اللہ خیر الجزاء، بعض تصانیف میں اس طرح ہوا، امام غزالی کی احیاء میں کچھ احادیث کے ذکر میں توسع کیا گیا، لیکن حواشی پر عراقی کی تنقید اور تخریج نے مغلطہ سے بچادیا، اللہ تعالیٰ آپ کی سعی کو قبول فرمائے، اور مزید توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا المکرّم مولوی سرفراز صاحب مدظلہ العالی کی خدمت عالیہ میں السلام علیکم معروض ہے۔

بندہ عبدالقدیر مدرسہ نصیریہ غور غشتی کیملپور''

(۲۲ مئی ۱۹۷۳ء ڈاک لفافے پر تاریخ درج ہے)

''دلیل المشرکین حضرت مولانا احمد دین بگویؒ کی عربی کتاب ہے، جس کا اردو ترجمہ مع حواشی وتعلیقات اور مقدمہ مفیدہ والد ماجدؒ نے ''ایضاح المؤمنین'' کے نام سے لکھا ہے، جس میں مصنف کا تعارف بھی شامل ہے، ۲۶۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جس میں شرک اور اس کی بیس اقسام پر مفصل کلام کیا گیا ہے، یہ ۱۹۷۱ء سے ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شائع ہو رہی ہے۔ (فیاض)

مکتوب ثانی مولانا عبدالقدیرؒ بنام مفسر قرآنؒ

''بخدمت محترم عزیز القدر مولانا المکرّم مولوی عبدالحمید صاحب زاداللہ مجدکم

از بندہ عبدالقدیر بعد سلام مسنون معروض آنکہ آپ کی جانب سے ہدیہ سنیہ علمیہ حضرت مرحوم شاہ رفیع الدین صاحب کا گرامی قدر رسالہ پہنچا، ایک نادر مسئلہ کی جوانب کو کس بسط سے انہوں نے قریب کرنے کی انہوں نے بلیغ

سعی اور محنت کی، جزاہ اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔

خیال تھا کہ انہی دنوں میں کچھ مزید معلومات حاصل کر کے آپ کو لکھوں گا لیکن بوجہ مشاغل کثیرہ تمام رمضان مصروف ہی رہا، مزید موقعہ نہ ملا، اب ساتھ لائل پور لایا ہے، عندالفرصت استفادہ کی کوشش کروں گا۔

تاخیر کافی ہوگئی ہے، معذرت خواہ ہوں، اس دور حاضر میں ایسی تحقیقات غامضہ کے فہم سے اکثر قاصر ہی رہتے ہیں، اس پرفتن دور میں ایسی تدقیقات کی پیاس کم پائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی اور جملہ معاونین حضرات کی سعی کو قبول فرمائے، اور حقائق حقہ سے لوگوں کو مستفید کرے، اور زیغِ تفلسف سے بچائے رکھے، والسلام۔

مزید عرض یہ ہے کہ حضرت مولانا سرفراز صاحب مد اللہ ظلہ کو میں نے چند اوراق مکتوبہ دیے تھے کہ ان پر اصلاحی نظر فرمائیں، اگر وہ گم نہیں ہوئے تو شد کو واپس کر دیں، مجھے ان سے کچھ کام لینا ہے، بذریعہ ڈاک واپس کریں تو بہتر ہوگا، ہاتھوں میں ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، ہاں اگر محتاط ذریعہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

والسلام علیکم معروض خدمت ہے۔

بندہ عبدالقدیر مدرسہ دارالعلوم پیپلز کالونی نمبر۲ لائل پور"

"اس خط کا اصل عکس ماہنامہ نصرۃ العلوم صفحہ ۵۷ ماہ اگست ۲۰۰۹ء میں ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔" (فیاض)

(۴) مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی عبدالواحد سہالویؒ کا مکتوب

"والد ماجدؒ نے مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں تین سال کے تعلیمی دورانیہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی عبدالواحد سہالویؒ سے متعدد کتب پڑھیں، مثلاً فقہ میں ہدایہ اولین اور شرح وقایہ اولین، ادب میں دیوان الحماسہ اور دیوان متنبّی، صرف میں الشافیہ اور علم عروض۔ مفتی صاحبؒ بھی علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے نمایاں شاگردوں میں سے تھے اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے فاضل تھے، مدرسہ انوار العلوم کے بانی حضرت مولانا عبدالعزیز سہالویؒ محدث گوجرانوالہ کے بھتیجے اور داماد بھی تھے، لیکن لاولد تھے، اور مفتی شہر کے لقب سے مشہور تھے، گوجرانوالہ میں بیک وقت مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ کے خطیب، مدرسہ انوار العلوم کے مہتمم و مدرس، جمعیۃ علماء اسلام اور تبلیغی جماعت کے امیر تھے، ۱۹۷۰ء میں گوجرانوالہ سے انہوں نے قومی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑا اور پھر گوجرانوالہ میں ہی ۱۹۸۲ء میں ان کا انتقال ہوا اور قبرستان کلاں میں دفن ہوئے، ان کے بارہ میں والد ماجدؒ نے ایک مفصل تعارفی

مضمون اپنی کتاب ''الاکابر'' میں لکھا ہے، جو اس کے صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۷ میں ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے، مندرجہ خط پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ کے موقع پر پاک فوج کے ساتھ معاونت کے سلسلہ میں لکھا گیا تھا۔'' (فیاض)

مکتوب حضرت مفتی صاحبؒ بنام مفسر قرآنؒ

''مکرمی جناب مولانا صوفی عبدالحمید صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، مزاج شریف۔

گورنمنٹ نے شاید حالات کی نزاکت کی وجہ سے ایسا کیا ہے کہ قریباً گیارہ سو آدمی جو کہ سات بٹالین میں تقسیم ہوں گے، فی بٹالین ۱۵۶ آدمی اکٹھے کر دو جن کو ہم ٹرینڈ کر دیویں، اس میں صرف بندوق، گرنیٹ، خنجر اور مشین گن جلدی سکھائیں گے، ایک ماہ کی ٹریننگ ہوگی جو یکم جنوری سے شروع ہوگی، اس ماہ کی ۹۰ روپیہ تنخواہ دیں گے، اگر روٹی رہائش فوج میں رکھیں تو ۴۵ روپیہ ہر آدمی کے علیحدہ ۱۵ ادیں گے، سال کے بعد پھر ایک ماہ اسی طرح تربیت ہوگی، ان کا کام صرف شہر اس کے عمومی متعلقات بجلی گھر، ریلوے، پل وغیرہ کی حفاظت وغیرہ ہوگی، یہ شہر میں ہی رہیں گے، یہ جب ہوگا جب خدانخواستہ جنگ شروع ہو جائے اور فوج محاذ پر چلی جائے، جب جنگ ہوگی تو پھر ان کو ۱۲۰ روپیہ فی آدمی دیں گے، میں یہ چاہتا تھا کہ جتنے بھرتی ہوں یہ زیادہ سے زیادہ ہماری طرف سے ہوں تو ہمارے ساتھ جوڑ ہوگا، جمعہ میں ترغیب دیں اور ان کے نام لکھیں لیکن علماء نے پرواہ نہیں کی، اس جمعہ آپ اس کی دعوت دیں اور جو تیار ہوں ان کو آج ہی میرے ہاں اکٹھا بھیج دیویں تاکہ ان کے نام مندرج ہو سکیں۔

ٹریننگ کے درمیان رات گھر آ سکیں گے، پھر جب وہ رہیں گے تو مزید تفصیل جو معلوم کرنی ہو تو ان کو بتلا دیں گے۔

عبدالواحد جامع مسجد گوجرانوالہ''

(مختلف مکاتب فکر کے علماء کی مشترکہ تنظیم جمعیت وفاق العلماء گوجرانوالہ کے لیٹر پیڈ پر یہ خط لکھا گیا۔ خط پر تاریخ درج نہیں، اس لئے یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے لئے تھا یا ۱۹۷۱ء کی جنگ کے لئے، غالب گمان یہ ہے کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے سلسلہ میں ہے۔ فیاض)

مولانا محمد ریاض انور گجراتی

پہلا کلام مبارک

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب ولادت باسعادت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کبریائی بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سب سے قبل اپنی زبان اقدس سے اظہار فرمایا، چنانچہ حضرت امام سہیلیؒ نے روایت نقل کی ہے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے یہ تسبیح بیان فرمائی، میرے پروردگار کا جلال بڑا ہی بلند ہے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)

اسی طرح ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ولادت باسعادت یوں فرمایا۔

اللّٰه اکبر کبیرًا والحمد لِلّٰه کثیرًا و سبحٰن اللّٰه بکرۃ واصیلاً۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب الخصائص اکبری ج ا ص ۹۱ میں روایت نقل کی ہے۔

وَاَنَّ اَوَّلَ مَا تَکَلَّمَ به اَنْ قَالَ اللّٰهُ اکبر کبیراً وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ کَثِیْرًا۔

بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلے کلام ارشاد فرمایا وہ یوں تھا، اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہی بہت زیادہ تعریفیں ہیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی شہادت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی اماں جان جناب سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانا چھڑایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللّٰه اکبر کبیراً وَالحمد لِلّٰه کثیرًا وسبحان اللّٰه بکرۃ واصیلاً۔

قارئین کرام!

آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے پہلے نکلنے والی تسبیح، دہن صاحب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

میں سب سے پہلے نکلنے والے کلمات مبارکہ کو ملاحظہ فرمالیا ہے کہ شروع دن ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح واشگاف الفاظ میں اللہ جل مجدہ کی کبریائی کو بیان فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے چالیس سال زرین دور کا طویل زمانہ بیت گیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے اللہ کی وحدانیت کی گواہیاں ہی نکلتی رہیں، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر ختم نبوت ورسالت کا تاج مبارک سجایا گیا اور منصب نبوت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فائز کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاران کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر اپنی شیریں زبان اقدس سے اس صدائے توحید کو مکہ کے باسیوں کے سامنے پیش فرمایا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بھاری قیمت چکانی پڑی، اس صدائے حق کے عوض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک بہایا گیا، پھر اس عظیم دعوت کی پاداش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا انتہائی پیارا مسکن ومولد چھوڑنا پڑا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمزور ضعفاء اور ستم رسیدہ غلاموں کی کچی رہائشوں کو مسمار کر کے انہیں تباہ وبرباد کر دیا گیا۔ اس مشن توحید کے بدلے میں سرزمین طائف میں اوباشوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طوفان بدتمیزی بپا کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اقدس کو لہولہان کر دیا۔ اس پاکیزہ گفتگو کے بدلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت وحیا میں پلنے والی شہزادیوں کو طلاقیں دی گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن راستوں پر چلتے تھے ان راستوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے نیچے آسمانی ملائکہ اپنے پر بچھانے پر سعادت سمجھتے تھے، مگر مکہ مکرمہ کے ناہنجاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہوں میں کانٹے بچھا کر اپنی بدبختی اور روسیاہی کا ثبوت دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امی جان کے شکم اطہر سے تشریف لانے کے بعد جو سب سے پہلے اللہ کی کبریائی کی شہادت دی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات طیبہ میں اس شہادت کا بڑی ہی مضبوطی و استقامت کے ساتھ پہرہ دیا تھا۔ اس گواہی یعنی شہادت توحید کے سلسلے میں سرزمین احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید کیے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں سربسجود تھے تو ابوجہل پارٹی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر مرے ہوئے اونٹ کی وزنی اوجھڑی رکھ کر اپنی سنگ دلی کا ثبوت دیا تھا۔ اسی اعلان توحید کی پاداش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے مبارک میں کپڑا ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے مبارک کو دبانے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھینچنے کی ناپاک جسارت بھی کی گئی۔ اس مشن انبیاء یعنی مسئلہ توحید کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنتی احباب اور جنتی معصوم بچوں کو.................... (بقیہ صفحہ ۵۴ پر)

مولانا حافظ مومن خان عثمانی

احسان فراموش قوم کا محسن مولوی

شیر شاہ سوری کے بنائے ہوئے پیمائش زمین کے خوبصورت نظام کی بنیاد پر جب انگریز نے برصغیر پاک و ہند میں زمینوں کے ریکارڈ مرتب کرنے شروع کیے تو اس کے دماغ میں ایک طبقے سے شدید نفرت رچی بسی تھی اور وہ تھا اس سرزمین کا مولوی، انگریز کی آمد سے پہلے یہ لفظ معاشرے میں اس قدر عزت وتوقیر کا حامل تھا کہ بڑے بڑے علماء وفضلاء اپنے نام کے ساتھ مولوی کا اضافہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔

انگریز کی اس طبقے سے نفرت کی بنیاد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں پڑی جس کے سرخیل یہی مسجدوں کے مولوی تھے، دلّی کی جامع مسجد سے جہاد کے اعلان نے برصغیر کے مسلمانوں کو اس آخری معرکے کے لیے تیار کیا، لیکن یہ تو گزشتہ پچاس سالوں کی وہ جدوجہد تھی جو مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر دین پڑھانے والے ان مسلمان علماء نے کی تھی، ٹیپو سلطان کی شہادت ایسا واقعہ تھا جس نے انگریز کو برصغیر میں قدم جمانے کا موقع فراہم کیا، ٹیپو سلطان کی موت کی خبر اس قدر خوش کن تھی کہ آج بھی ایڈمبرا کے قلعہ میں موجود ٹیپو کی نوادرات کے ساتھ یہ تحریر درج ہے کہ اس کی موت پر پورے انگلستان میں جشن منایا گیا، اس کے بعد انگریز نے ساری توجہ ان مسلمان مدرسوں کو بند کرنے، ان کو مسمار کرنے اور وہاں پر ہونے والے تدریسی کام پر پابندی لگانے پر مبذول کردی۔

اسی کے ایک سپوت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتویٰ دیا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور دیگر علماء کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے مولانا فضل حق خیرآبادی کی قیادت میں جہاد کا فتویٰ جاری کیا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی قیادت علماء کررہے تھے۔

مولوی کے بارے میں انگریز افواج اور انتظامیہ متفق تھی کہ وہ ان کا شمالی ہند میں سب سے بڑا دشمن ہے، آرکائیوز کے اندر موجود دستاویز میں اس مولوی کا جس قدر خوف خط وکتابت میں دکھائی دیتا ہے وہ حیران کن ہے، ان کے

مقابلے میں ایک دوسرا طبقہ تھا جس کی وفاداریوں نے انگریز کے دل میں اپنی جگہ بنالی تھی، یہ تھا خطۂ پنجاب کا زمیندار چوہدری اور نواب جنہوں نے مسلمانوں کی اس جنگ آزادی میں مجاہدین کے خلاف لڑنے کے لیے افرادی قوت فراہم کی، یہی نہیں بلکہ ان بڑے بڑے زمینداروں نے اپنے علاقوں میں جس طرح مسلمانوں کا خون بہایا اور انگریز کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبایا وہ تاریخی سچائی ہے، پاکستان کی اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے اکثر ممبران کے آباؤ اجداد مسلمانوں کے خلاف اس خونریزی کی قیادت کرتے تھے اور یہاں تک کہ ایک مسلمان جہادی کو مارنے کا معاوضہ صرف چند روپے لیتے تھے۔

پنجاب کی دھرتی کے یہ ''عظیم سپوت''، جن کی اولادیں آج ہماری سیاسی قیادت ہیں انگریز کے اس قدر وفادار تھے کہ جنگ عظیم اول میں جب فوج کی بھرتیاں شروع ہوئیں تو ۱۹۱۴ء میں ۲۸ ہزار میں سے ۱۴ ہزار پنجاب سے بھرتی ہوئے۔ ۱۹۱۵ء میں ۹۳ ہزار میں سے ۴۶ ہزار پنجاب سے اور ۱۹۱۶ء کے آخر تک پورے ہندوستان سے ۲ لاکھ ۲۳ ہزار نوجوان انگریز کے لیے لڑنے کے لیے فوج میں بھرتی ہوئے۔ ان میں سے ایک لاکھ دس ہزار پنجاب سے تھے۔ دوسری جانب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہزاروں علماء کو پھانسیاں دی گئیں، توپ کے ساتھ باندھ کر اڑا دیا گیا، کالا پانی بھیجا گیا مگر ان کی تحریک زندہ و جاوید رہی۔ ۱۸۶۴ء میں انبالہ سازش کیس میں مولانا جعفر تھانیسری، مولانا یحییٰ کو پھانسی کی سزا سنائی جاتی ہے، شوق شہادت کا یہ عالم کہ دونوں سجدہ شکر ادا کرتے ہیں، انگریز ڈپٹی کمشنر پارسن اگلے دن آتا ہے اور کہتا ہے ''ہم تم کو تمہاری مرغوب سزا شہادت نہیں دیں گے بلکہ تمہیں تمام زندگی کالا پانی میں کاٹنا ہوگی''۔ اس کے بعد یہ مشعل مستقل روشن رہتی ہے۔ ۱۸۶۳ء پٹنہ سازش، ۱۸۷۰ء مالوہ سازش، ۱۸۷۱ء انبالہ سازش، ۱۸۷۰ء راج محل سازش اور ایسی بے شمار سازشوں کے خلاف بغاوتیں برصغیر کے اس مولوی کے سینے کا تمغہ ہیں جو بوریہ نشین تھا۔

انگریز جب ریونیو ریکارڈ مرتب کرنے لگا تو اس نے برصغیر اور خصوصاً پنجاب میں آبادی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک باعزت کاشتکار اور دوسرے غیر کاشتکار، کاشتکاروں میں وہ اعلیٰ نسل نواب، چوہدری، سردار، وڈیرے اور خان شامل تھے جنہوں نے انگریز سے وفاداری کے صلے میں زمینیں، جاگیریں اور جائیدادیں حاصل کی تھیں، جب کہ غیر کاشتکاروں میں محنت مزدوری سے رزق کمانے والے لوہار، ترکھان، جولاہے، موچی وغیرہ۔ انھیں عرف عام میں کمی یعنی کمترین کہہ کر پکارا جانے لگا۔

پنجاب میں کمی کمین ایک عام لفظ ہے جو ہر متکبر زمیندار کے منہ پر ہوتا ہے، ریونیو (محکمہ مالیات) کے

ریکارڈ میں ایک ''فہرست کمیاں'' مرتب کی گئی جس میں لوہار، ترکھان اور موچی، جولاہے کے ساتھ مسلمانوں کی قیادت کے دینی طبقے مولوی کو بھی شامل کر دیا گیا اور پھر گاؤں میں جو تضحیک کمی کمینوں کے حصے میں آئی مولوی کو بھی اسی تضحیک کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود اس طبقے نے مسجد کی چٹائی سے دین کی مشعل تھامے رکھی۔

ہزاروں دیہاتوں میں یہ واحد پڑھا لکھا فرد ہوا کرتا تھا لیکن بڑے زمیندار جو جاہل اور ان پڑھ تھے ان کی تذلیل سہتا، جوتیوں میں بٹھایا جاتا، کٹائی پر بیگار میں لگایا جاتا مگر کمال ہے اس مرد باصفا کا کہ صبح فجر پر مسجد پہنچتا، چبوترے پر کھڑے ہو کر اذان دیتا، لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا، بچوں کے کان میں اذان دیتا، نکاح پڑھاتا اور اس ظالم چوہدری کے مرنے پر اس کے لیے قرآن بھی پڑھتا اور دعا کے لیے ہاتھ بھی اٹھاتا، شہروں میں بھی مولوی کو مسجد کی ڈیوٹی تک محدود کر دیا گیا۔ معاشرے سے اس کا تعلق صرف تین مواقع پر ہوتا ہے۔

پیدائش کے وقت کان میں اذان، شادی کے وقت نکاح خوانی، اور موت پر مرنے والے کا جنازہ اور دعائے مغفرت، ملک بھر کی چھوٹی چھوٹی لاکھوں مساجد میں یہ امام ایک مزدور سے بھی کم تنخواہ پر امت کا سب سے اہم فریضہ یعنی اللہ کی جانب بلانا، ادا کر رہے ہیں، بچوں کو قرآن بھی پڑھا رہے ہیں اور پنجگانہ نماز کی امامت بھی۔ کبھی ایک سیکنڈ کے لیے بھی مساجد میں نماز لیٹ نہ ہوئی کہ مولوی اپنے مطالبات کے حق میں ہڑتال پر ہیں۔ اس معاشرے نے جو فرض عین انھیں سونپا انھوں نے معاشرے کے ہر شعبے سے زیادہ حسن وخوبی اور اخلاص کے ساتھ ادا کیا۔

اس سب کے بدلے میں انگریز کے اس تخلیق کردہ معاشرے نے مولوی کو کیا دیا، وہ قرآن جس کی تعلیم کو اللہ نے سب سے بہتر تعلیم قرار دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان معلموں اور طالب علموں کو افضل ترین قرار دیا، یہ طالب جو اس راستے پر نکلے شام کو ہر دروازے پر دستک دے کر کھانا اکٹھا کرتے ہیں اور پھر جو روکھی سوکھی مل جائے اسے نوشِ جاں کرتے ہیں، عالیشان کوٹھیوں میں رہنے والے اپنے بچوں کو انگریزی، فزکس، کیمسٹری کے لیے ہزاروں روپے ماہانہ دے کر بہترین استاد کا بندوبست کرتے ہیں، لیکن قرآن پڑھانے کے لیے انھیں ایسا مولوی چاہیے جو دو وقت روٹی لے کر خوش اور زیادہ سے زیادہ عید پر ایک جوڑا، جنہیں اپنے سگے ماں باپ کو موت کے بعد نہلانا نہیں آتا، اپنے باپ یا ماں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے مغفرت کی دعا کے دو حرف پڑھنے نہیں آتے وہ مولوی کا تمسخر اڑاتے رہے، اسے تضحیک کا نشانہ بناتے رہے، لیکن یہ مولوی اللہ کا بندہ اس معاشرے کی تمام تر ذلت و رسوائی کے باوجود پانچ وقت اللہ کی بڑائی اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعلان کرتا رہا۔ (بقیہ صفحہ ۴۸ پر)

مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی

جامعہ نصرۃ العلوم کا خصوصی امتیاز

ہمارے بزرگ جن کو اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ عطا فرمایا ہے اوران کو بڑے بڑے اعزازات سے نوازا ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کے مرتبہ اور مقام کا کتنا بڑا خیال رکھتے ہیں، ان کے اندازِ تحریر اور گفتگو سے آئندہ نسلوں کیلئے اور موجودہ کیلئے بہت بڑا سبق ہے کہ بڑے لوگوں کے حالات کیسے ہیں وہ کس طرح دوسروں کا احترام کرتے ہیں اور کیسے مبارک جملوں سے دوسروں کو یاد کرتے ہیں جبکہ کمینہ آدمی خود اپنے آپ کو بڑا کہتا ہے اور بڑوں کی توہین کرتا ہے۔ کسی کو بڑا نہیں سمجھتا سب کچھ اپنے آپ کو کہتا اور سمجھتا ہے، میں میں کی آواز نے کمینے کو تباہ و برباد کر دیا ہے، اور بڑا آدمی جب گفتگو کرتا ہے یا لکھتا ہے تو یوں کہتا اور لکھتا ہے کہ ہمارے بڑوں نے یوں کہا ہمارے بزرگوں نے یوں کیا ہمارے بزرگ ہمارے اکابر ہیں۔

مادرِ علمی جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں دو بہت ہی امتیازی کام ہیں جو میرے علم کے مطابق اس طرح کہیں اور نہیں، امام انقلاب حضرت الامام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب حجۃ اللہ البالغہ دورہ حدیث شریف کے نصاب میں شامل ہے، راقم الحروف کو استاذ المحدثین مفسر قرآن جامع الصفات شخصیت حضرت استاذی المکرّمی بانی و مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم گوجرنوالہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے، حضرت صوفی صاحب کا انداز تدریس اس کتاب پر ایسا تھا کہ جیسے خود حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پڑھا رہے ہیں ان کا نورانی چہرہ، چہرے کے مبارک خدوخال، بیٹھنے کا انداز ابھی بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۴۵ پر جرائم کی جڑ بیروزگاری کو گردانتے ہیں، جس کا ترجمہ اور خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی وجہ سے جائز ذرائع سے کمائی میں ناکام رہتے ہیں، پھر وہ چوری، جوابازی اور بھیک جیسے مضر پیشے اختیار کر لیتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے صحت مند

معاشرے کے ہر فرد کیلئے روزگار اور کسب ضروری ہے، اگر معاشرے میں انصاف اور روزگار نہیں ہوگا تو جرائم عام ہوں گے معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا پھر امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوگا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مختلف پیشوں کی اہمیت اور ان کی مناسب تقسیم کے ذریعے ہی سے بہتر معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔

دوسرا اعزاز صبح سب سے پہلے قرآن پاک کا ترجمہ اور تشریح کا پیریڈ لازمی ہوتا ہے ایک سال میں پندرہ پارے پڑھائے جاتے ہیں اور دو سال میں مکمل قرآن پاک کی تفسیر بندہ پڑھ لیتا ہے، موقوف علیہ اور دوسرے درجات میں جو طلباء شامل ہوتے ہیں وہ کلاس کی ترتیب میں ترجمہ اور تفاسیر تو پڑھتے ہیں اس کے علاوہ ان طلباء کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہ آخری دو سالوں میں مکمل قرآن پاک دوبارہ تفسیر کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ جامعہ نصرۃ العلوم میں قرآن فہمی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

راقم الحروف نے ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء میں امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل قرآن پاک ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھا اور حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صبح کے وقت جو درس عوام الناس کیلئے ہوتا تھا اس میں بھی پابندی کے ساتھ دو سال شریک ہوتا رہا اور حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سبق کے وقت جب درس حدیث دیتے تھے تو اس میں بھی شرکت ہوتی رہی، مسلم شریف، شمائل ترمذی اور حجۃ اللہ البالغہ حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، ان دونوں بھائیوں نے وہ کام کیا ہے جو بڑی بڑی جماعتیں مل کر نہیں کرسکتیں۔

میرے شیخین پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوا کہ ان بھائیوں نے بامقصد زندگی بسر کی اردو زبان میں علمی و عوامی درسی تفسیر لکھنے کا اعزاز اللہ پاک نے حضرت صوفی صاحب کو عطا فرمایا ہے ان کا فیض ہمیشہ جاری و ساری رہے گا، قرآن پاک کی خدمت میں یہ بہت بڑا کارنامہ ہے جو رہتی دنیا کے لیے ایک مشعل راہ ہے۔

اسی طرح امام اہلسنت سیدی وسندی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار تفسیر ذخیرۃ الجنان فی تفسیر القرآن جس کو حضرت مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے مرتب کیا ہے ان دونوں بھائیوں کی ان دونوں تفاسیر کو سامنے رکھا جائے تو لاتعداد تفاسیر کے علوم و معارف مل سکتے ہیں، اللہ پاک کا کروڑ مرتبہ شکر کہ راقم الحروف کو وہ اساتذہ کرام ملے ہیں جن کی مثال اللہ کے فضل و کرم سے کوئی اور پیش نہیں کرسکتا۔ جامعہ نصرۃ العلوم کا فیض ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گا، اس کی بنیاد اخلاص پر رکھی گئی ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اساتذہ کرام کو جو وفات پا چکے ہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جو زندہ ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے، آمین۔

محمد حمزہ/شریک دورۂ حدیث جامعہ نصرۃ العلوم

زوال امت کے اسباب

کسی ادیب نے کیا خوب کہا ہے، دو واقعات ایسے ہیں جن کے وقت کا تعین ہم نہیں کر سکتے، ایک کا تعلق فرد کی زندگی سے ہے اور وہ ہے نیند، اور دوسرے کا تعلق قومی و ریاستی زندگی سے ہے اور وہ ہے کسی بھی قوم کے زوال کی ابتداء کا تعین، یعنی کسی قوم پر کب زوال شروع ہوا یہ کوئی نہیں بتا سکتا، پتہ جب چلتا ہے جب وہ عروج پکڑ لیتا ہے، لیکن امت مسلمہ کا عروج و زوال دیگر کی بنسبت واضح ہے، ہماری ترقی و تنزلی کے درمیان خلافت راشدہ حد فاصل کے طور پر جانی جاتی ہے۔ ہماری تنزلی کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہمارے حکمرانوں کے اندر جہاد و اجتہاد کی کمی ہے، ایک وقت تھا جب ہمارا حاکم ایک ہی وقت میں عابد و زاہد، مجاہد و پارسا، امام و خطیب، قاضی اور مجتہد، دور اندیش اور معاملہ فہم سیاستدان ہوا کرتا تھا، وہ اخلاق و عادات میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتا تھا، قرآن اس کا رہنما ہوا کرتا تھا اور وہ لوگوں کیلئے نئے نئے مسائل میں ان کی راہ نمائی کرتا تھا، وہ ان کو جہالت و گمراہی سے بچاتا تھا، لیکن افسوس کہ زمام حکومت ان لوگوں کے ہاتھوں آئی جنہوں نے اس کی تیاری نہیں کی ہوئی تھی، وہ ان صفات حمیدہ سے مزین نہیں تھے، اقتدار ہوس کا شکار ہو چکا تھا، ان وجوہ کی بنا پر ہم تنزلی کا شکار ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے اخلاق کا حد درجہ تک گر جانا بھی ہماری تنزلی کی اہم وجہ ہے، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ قوموں کو بنانے اور بگاڑنے میں اخلاق کا بہت اہم حصہ ہے، امیر الشعراء شوقی فرماتے ہیں۔

؎ وانما الامم الاخلاق ما بقيت

فان هم ذهبت اخلاقهم ذهبوا

قومیں اس وقت تک زندہ رہی ہیں جب تک ان کے اخلاق زندہ ہوں اور جب اخلاق ختم ہو گئے تو گویا وہ خود ختم ہو گئیں۔ لہٰذا ہمارے اخلاق کا خاتمہ ہمارے زوال کا سبب بنا۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت سے روگردانی ہماری تنزلی کا خاص سبب ہے۔ تنزلی کے اسباب میں ایک سبب ہمارے اندر کم علمی اور جہالت کا آنا بھی ہے،

کیونکہ جاہل تو جاہل ہوتا ہے، مگر زیادہ نقصان کم علمی کرتی ہے اور مقولہ بھی ہے ''نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان'' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدھے جاہل سے پورا جاہل اچھا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اتحاد و یکجہتی کا فقدان بھی ہماری پستی کا سبب ہے، اتحاد کی دولت سے محرومی کی سزاء ہے کہ آج ہمارا شیرازہ بکھر چکا ہے اور ہم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح تعصب و عناد کا آنا بھی ہماری تنزلی کا سبب ہے اور عدم برداشت اور عدم حلم اور اپنے اکابر و اسلاف کی روش سے روگردانی بھی ہماری پستی کا سبب بنی۔ افسوس یہ ہے کہ روز بروز یہ باتیں ہمارے اندر زیادہ ہوتی جارہی ہیں اور ہم ان سے نکلنے کا سوچتے بھی نہیں، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

یہ وہ چند اسباب ہیں جن کی کمی ہماری تنزلی کی وجہ بنی، لہٰذا اب دوبارہ ارتقاء کی طرف آنے کیلئے ہمیں ان باتوں کو اپنانا ہوگا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہوگا، اللہ ہم سب کو ان پر عمل کی توفیق دے، آمین۔

(بقیہ صفحہ ۴۷)

شعب ابی طالب میں تین سال تک قید کر کے ان کا مکمل سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پہلی دعوت مبارک اللہ کی وحدانیت کو بیان کرنا شروع کیا تو اسی وقت مشرکین مکہ کے شرک والے محلات میں دراڑیں پیدا ہونا شروع ہوگئی تھیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص جان نثاروں نے ہر قسم کی قربانی و ایثار کی ایسی نادر و نایاب مثالیں قائم کر چھوڑیں کہ قیامت تک عقل انسانی اس پر حیران ہو کے رہ جاتی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اولاد آدم میں سے کسی نے اتنی بڑی قربانی نہیں دی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی تھی، نیز جتنی عظیم قربانیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پاک نے پیش کی ہیں اس سے قبل کسی نبی کے کسی صحابی نے اتنی زیادہ مقدار میں پیش نہیں کیں۔

آیئے آج ہم بھی اسی صدائے حق کے پھیلانے کا عزم کریں جو صدائے حق سب سے پہلے سرزمین مکہ میں حضرت سیدہ آمنہ کے لعل صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند فرمائی تھی۔ وہ صدائے حق اللہ جل جلالہ کی کبریائی کی تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام بنی آدم کے دل میں اپنی عظمت و ہیبت پیدا فرمائیں اور ان کے دلوں کو غیر اللہ کے خوف سے آزاد فرمائیں، آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مولانا محمد فیاض خان سواتی

خاطرات

گنڈا پوری کی تازہ دُرفِنطنی

ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا محترم کے ملک بھر میں جاری کامیاب ''ملین مارچ'' اب بعض مقتدر قوتوں کو کھٹکنے لگے ہیں، اور ڈیرہ اسماعیل خان کا کامیاب ترین ملین مارچ تو بالکل ہی ہضم نہیں ہو پا رہا، اس کے ردِعمل کے طور پر ملک بھر میں چہ میگوئیوں کی بازگشت بھی سنائی دے رہی ہے، چنانچہ آج ''نوائے وقت لاہور'' میں جناب علی امین گنڈا پوری صاحب جو اسی حلقہ سے اپنے مہربانوں کی خصوصی عنایات سے سلیکٹڈ ایم این اے ہیں، انہوں نے اس ملین مارچ کی تاب نہ لاتے ہوئے ایک تازہ ترین دُرفِنطنی کچھ ان الفاظ کے ساتھ چھوڑی ہے، جس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں۔

''مولانا فضل الرحمٰن کشمیر کمیٹی کے چیئرمین مال کمانے کے لئے بنتے رہے ہیں، جس کی تحقیق جاری ہے اور وہ بھی عنقریب نواز شریف کے ساتھ جیل میں ہوں گے۔''

یہ خبر پڑھ کر ان لوگوں کی بے بسی اور لاچاری پر بہت ہی محظوظ ہوا، اور اس بدبودار گندہ ذہنی اور ژولیدہ فکری پر اپنا مختصر ترین تبصرہ صرف ایک ضرب المثل کے زرین الفاظ کے ساتھ احباب کے سامنے پیش کرنا ہی کافی سمجھتا ہوں، جو اس کے موجد نے شاید گنڈا پوری صاحب کے لئے ہی ایجاد کی تھی، کہ

''نو سو چوہے کھا کر بلی چلی حج کو''

دو روز اولیاء اللہ کے شہر میں

گزشتہ ماہ اچانک پیش آنے والے اپنے ایک نجی کام کے سلسلہ میں دو روز اولیاء اللہ کے شہر ملتان میں گزرے، برادرم ڈاکٹر مولانا حافظ محمد عمار خان ناصر اور برخوردار محمد عکاشہ خان سواتی بھی ہم سفر تھے، رات اپنے مخدوم زادہ پروفیسر مولانا غازی عبدالرحمٰن قاسمی صاحب کے ہاں ان کی رہائش گاہ گلگشت کالونی میں بسر کی، رات کا

پرتکلف کھانا اور صبح کا بھاری بھرکم ناشتہ انہوں نے کھلایا، اور پھر ہمہ جہت پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو اور خوش گپیاں بھی ہوئیں، وہ میرے والد ماجدؒ کے دیرینہ ساتھی ہمارے مخدوم حضرت مولانا فضل محمدؒ فاضل دارالعلوم دیوبند کے پوتے اور ہمارے بزرگ دوست حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی صاحب آف فقیر والی کے صاحبزادہ ہیں، اور وسعتِ مطالعہ کے ساتھ فراخ دلی کے بھی مالک ہیں، انہوں نے ہمارے کام کی تکمیل کے سلسلہ میں ایک دن اپنی ڈیوٹی سے چھٹی لے کر اپنی معیت میں ہمیں مکمل سہولت بہم پہنچائی، اللہ کریم ہماری اس مخلصانہ عزت افزائی اور اکرام پر انہیں اجرِ جزیل سے نوازے، واپسی پر انہوں نے ہمیں اپنی حجاب کے موضوع ایک ایک کتاب بھی ہدیہ عنایت فرمائی۔

دوپہر کے پرتکلف کھانے اور چائے کا اہتمام جناب حافظ صفوان محمد چوہان صاحب نے اپنے فون کے محکمہ کے دفتر میں کر رکھا تھا، جس کے وہ انچارج ہیں، ظہر کی نماز وہاں ادا کی اور ان کے محکمہ کے مختلف شعبہ جات دیکھے، یہ محکمہ واقع تو شہر کے ایک طرف ہے لیکن ایک وسیع نیٹ ورک پر مشتمل ہے اور جنگل میں منگل کی منظر کشی کرتا ہے، ساتھ حافظ صاحب کے لطائف اور ظریفانہ بذلہ سنجیوں سے بھی خوب محظوظ ہوئے، مجھے یاد ہے کہ ان کے والد محترم پروفیسر عابد صدیق صاحب ایک بار میرے والد ماجدؒ سے ملاقات کے لئے بہاولپور سے گوجرانوالہ تشریف لائے تھے، نمازِ عصر سے مغرب تک ان کی ملاقات جاری رہی، چائے وغیرہ کا اہتمام چونکہ احقر نے کیا تھا، اس ناطے اس ملاقات میں بھی شریک رہا، وہ شعر وشاعری کا بھت اچھا ذوق رکھتے تھے، واپسی پر انہوں نے مجھے بہاولپور آنے کی پر زور دعوت بھی دی تھی، حافظ صاحب سے قلمی تعارف تو بہت پرانا ہے لیکن ان سے بالمشافہہ یہ میری پہلی ملاقات تھی، فی نفسہ وہ ایک دلچسپ انسان اور رونقِ محفل کے وصف سے متصف ہیں، واپسی پر وہ ہمیں ملتان سے باہر نکلنے والے روڈ تک یہ کہتے ہوئے خود پہنچا کر گئے کہ

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ پھر واپس نہ آ جائیں''۔

مولٰی کریم انہیں بھی خوش وخرم رکھے، آمین۔

میں تو اس قابل نہ تھا

☆ جامعہ نصرۃ العلوم کے سرپرست، گوجرانوالہ کی معروف روحانی شخصیت اور بزرگانِ دین کے معتمدِ خاص، امام اہل السنۃؒ کے مریدِ اول حضرت صوفی محمد عطاء اللہ صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ آج بندہ فقیر کی عیادت کے لئے جامعہ نصرۃ العلوم تشریف لائے اور کافی دیر تک مختلف امور میں باہم گفتگو ہوتی رہی، انہوں نے بتایا

کہ وہ میرے والد ماجدؒ کی تفسیر ''معالم العرفان فی دروس القرآن''، تسلسل کے ساتھ اپنے مریدین کو خود سنا رہے ہیں اور الحمد للہ بیسویں جلد کی چند ہی سورتیں باقی رہ گئی ہیں اور پھر تفسیر مکمل ہو جائے گی، انہوں نے اس میں مذکور ایک لفظ ''نسمہ'' کے بارہ میں پوچھا تو احقر نے بتایا کہ یہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ایک اصطلاح ہے، جو انہوں نے اپنی مایہ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں استعمال فرمائی ہے اور اس پر بڑی بسط کے ساتھ انہوں نے کلام بھی کیا ہے، البتہ خلاصہ کے طور پر اسے روح سے تعبیر کر سکتے ہیں، انہوں نے ڈھیر ساری دعائیں دیں اور پھر واپس تشریف لے گئے، اللہ کریم ان کا سایہ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر سلامت با کرامت رکھے۔

☆ جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل اور ہمارے دیرینہ دوست مولانا خان محمد مہاروی صاحب گوجرانوالہ اور ان کے بڑے بھائی جناب قاری محمد عبد الصمد صاحب سابق مدرس مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ، حال مقیم جوہانسبرگ افریقہ بھی ملاقات اور بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے، وہ جب بھی پاکستان تشریف لاتے ہیں، ہمارے ساتھ ملاقات کے لئے ضرور جامعہ میں تشریف لاتے ہیں، ان سے افریقہ کے حالات اور دیگر کئی امور پر گفتگو ہوتی رہی، اللہ کریم انہیں اس خیر خواہی پر اجر عظیم سے نوازے۔

☆ بنوں کے مولانا گل رئیس خان صاحب نقشبندی مجددی کے صاحبزادہ مولانا عبد اللہ خان صاحب بھی اپنے پانچ سات ساتھیوں سمیت بندہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے، وہ میرے فیس بک کے فرینڈ ہیں اور ''معہد الفقیر الاسلامی جھنگ'' میں تخصص کر رہے ہیں، ان سے کافی دیر تک مختلف امور میں باتیں ہوتی رہیں، اپنے والد بزرگوار کی دو کتابیں بھی انہوں نے مجھے ہدیہ عنایت فرمائیں، ایک ''وسوسے کیوں آتے ہیں'' اور دوسری انگلش میں ہے، جس کے عنوان کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے ''عبادت کو اپنی عادت بناؤ'' بندہ نے انہیں ''ماہنامہ نصرۃ العلوم'' کا ایک ایک تازہ شمارہ دیا، وہ میری فیس بک کی پوسٹوں کو بہت فائدہ مند قرار دیتے ہوئے انہیں سراہ رہے تھے، اور بتا رہے تھے کہ احباب بھی بڑے شوق سے ان کو دیکھتے ہیں اور انہیں ان سے بہت فائدہ ہوتا ہے، یہ ان کا حسنِ ظن ہے، اللہ کریم ان کے اس نیک گمان پر مجھے پورا اتار دے تو اس کا بہت کرم ہوگا، لیکن کیا کہوں

''یہ بھی تیرا ہی کرم ہے آقا ورنہ میں تو اس قابل نہ تھا''۔

MONTHLY
NUSRAT-UL-ULOOM
GUJRANWALA

Tel
055
4218530

e-mail:nusratululoom@gmail.com

SR
22

ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ پاکستان